PAKISTAN POSTAGE
RUPEES 3.00

شہری

براۓ بہتر ماحول

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ء

SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو' وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے۔۔۔مارگریٹ میڈ

اندر کے صفحات پر

- غیر سرکاری تنظیموں کا کردار
- ماحولیاتی تحفظ اور ایڈووکیسی
- لیاری ندی
- صادقین اکادمی کی آڑ میں

گلاس ٹاورز ○ ○ ○ قانون سے بھی بلند تر

گلاس ٹاورز پراجیکٹ کے بارے میں شہری براۓ بہتر ماحول کی خصوصی رپورٹ

بحیرہ عرب کے کنارے واقع کلفٹن کا علاقہ تقسیم ہند سے پہلے بھی ایک پوش رہائشی علاقہ اور کراچی کی ایک مقبول تفریح گاہ تھا۔ ایک سو فٹ چوڑی سڑک باتھ آئی لینڈ/فریئر ٹاؤن کوارٹرز کو کلفٹن پل کے قریب (پرانے) کلفٹن کوارٹرز ایریا سے ملاتی ہے جو دو تلوار سے آگے ہے۔

کراچی شہر میں جوں جوں آبادی کا ناقابل برداشت بوجھ بڑھتا رہا' اس کے نتیجے میں آئی آئی چندریگر روڈ کے کاروباری اور تجارتی علاقے میں مزید گنجائش ختم ہوتی گئی' چنانچہ ڈیولپرز نے شہر کی بڑی شاہراہوں کے کنارے ایسے رہائشی پلاٹوں کی تلاش شروع کردی جنہیں تجارتی مقاصد کے لئے بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ بینکس' صنعتی اور تجارتی دفاتر شاہراہ فیصل' عبداللہ ہارون روڈ' ڈاکٹر ضیاء الدین احمد روڈ اور کلفٹن جیسے بنیادی طور پر رہائشی علاقوں میں منتقل ہونے لگے چونکہ کمرشلائزیشن میں منافع کی شرح بہت زیادہ ہے اسی تناسب سے متعلقہ حکام کو بڑے پیمانے پر رشوتیں بھی دی جاتی ہیں۔

پلاٹ نمبر ۲/ایف ٹی۔۳' فریئر ٹاؤن کوارٹرز

"گلاس ٹاورز" کی داستان یوں شروع ہوتی ہے کہ پلاٹ نمبر ۲/ایف ٹی۔ ۳ (۶۳۴۴ مربع گز) جو کلفٹن روڈ پر واقع ہے۔ ۱۹۲۰ء میں کراچی میونسپلٹی نے ۹۹ سال کے لیز پر ہوشول چیلارام اور کشن چند لیکھراج کو پٹے پر دی تھی جس کا سالانہ کرایہ ۶۶ روپے دو آنے چھ پیسے تھا۔

بعد میں یہ پلاٹ مہرا اور سائرس فرام جی مینولا کو اور اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں پاکستان ٹوبیکو کمپنی کو فروخت ہوا' جنہوں نے اسے موجودہ بلڈنگ بائی لاز کے مطابق جو گراؤنڈ پلس ٹو رہائشی عمارت کی اجازت دیتے ہیں اسے اپنے دفتر کے طور پر استعمال کیا۔

شہر کی مسلسل بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر سو فٹ چوڑی کلفٹن روڈ کو ۱۹۵۰ء میں ۱۲۰ فٹ اور ۱۹۷۹ء میں ۱۵۰ فٹ چوڑا کرنے کا اعلان کیا گیا۔ تاہم اس قانون کی پابندی کے بجائے اس کی خلاف ورزی زیادہ ہوئی۔ سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۷۹۔۸۹ء کے تحت کراچی کی تقریباً" ۳۵ بڑی سڑکوں کو جن میں ایم اے جناح' زیب النساء اسٹریٹ' پریڈی اسٹریٹ' فریئر روڈ' گارڈن روڈ' نشتر روڈ وغیرہ شامل ہیں' وسیع کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ لیکن بلڈرز کے لالچ اور کے بی سی اے اور دوسرے سرکاری حکام کے ساتھ مجرمانہ گٹھ جوڑ کے باعث ان خلاف ورزیوں پر کوئی کارروائی نہیں کی جاسکی۔

گلاس ٹاورز

پاکستان ٹوبیکو کمپنی لمیٹڈ نے دسمبر ۱۹۹۴ء میں یہ پلاٹ میسرز پروگریسو (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۸ صباح سینٹر' بہادر آباد کراچی کو ۷۵۹۶ ملین روپے میں فروخت کردیا۔ تاہم بلڈر نے (جعلسازی کرتے ہوئے مناف حسین نامی ایک شخص کی معرفت) پاکستان ٹوبیکو کمپنی کے نام سے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو کمرشلائزیشن کے لئے درخواست دی اور جنوری ۱۹۹۴ء میں منظوری حاصل کرلی۔ اس سلسلے میں سندھ

قانون کی بالادستی کا کھلے عام مذاق

SHEHRI

مالی تعاون۔ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

SHEHRI-CBE
acknowledges the support of
The Friedrich-Naumann
Foundation

بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۷۹/۸۲ء کے مطلوبہ طریق کار کی پابندی نہیں کی گئی اور زمین کے استعمال میں تبدیلی کی اجازت پی ٹی سی کو دے دی گئی (؟؟؟) جولائی ۱۹۹۵ء میں اس کے ساتھ ہی کانسیپٹ بلڈنگ پلان کی منظوری بھی دے دی گئی۔

اگست ۱۹۹۵ء میں بلڈر نے کے بی سی اے کو ملکیت کی تبدیلی کی دستاویزات پیش کیں جن میں اس جائیداد کی رجسٹریشن ۱۳ افراد کے نام سے کی گئی تھی۔ میسرز ایکمل بلڈرز اینڈ ڈیولپرز کے محمد ہاشم ولد سلیمان صالح محمد کو ان کا اٹارنی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی مہینے کے بی سی اے نے فائنل بلڈنگ پلان کی منظوری دے دی (جس کی ڈرا ئنگز پر اب بھی پاکستان ٹوبیکو کمپنی کا نام تھا) پلان کے مطابق تہہ خانہ، گراؤنڈ، لافٹ، چار منزلوں، ۱۰۵ کاروں کے لئے بیسمنٹ پارکنگ، ۱۳۹ دکانوں کے لئے گراؤنڈ فلور (ان میں سے کسی دکان کی اوپننگ سائیڈ یا پیچھے کی جانب نہیں ہوگی) اور چاروں فلورز پر ۵۷، ۵۷ دفاتر ہوں گے۔ بلڈر نے ایک فیصد ودہولڈنگ ٹیکس کے طور پر ۸۵۹ ۶۹۵ روپے ادا کئے (حالانکہ یہ رقم اس سے ڈھائی گنا زیادہ بنتی ہے)

کے بی سی اے کے گلاس ٹاورز کے منظور شدہ پلان میں خامیاں

۱) کمرشلائزیشن (زمین کے استعمال میں

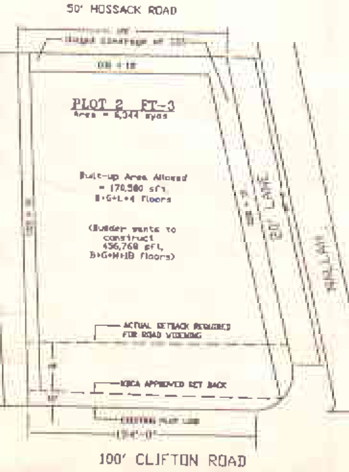

عقبی حصے میں پندرہ فٹ کے لازمی حصے کو بھی غیرقانونی طور پر ڈھانپ دیا گیا ہے

تبدیلی/ایس بی سی او۔ ۷۹/۸۲ء) ٹاؤن پلاننگ ریگولیشنز پارٹ II شیڈول ڈی پارٹ ٹو کے تحت دیئے گئے طریق کار کے مطابق نہیں کی گئی۔

۲) کلفٹن روڈ (عبداللہ ہارون روڈ) کی چوڑائی موجودہ ۱۰۰ فٹ سے بڑھا کر مستقبل میں ۱۵۰ فٹ کی جانی ہے۔

۳) بیسمنٹ میں کار پارکنگ کی جگہ ناکافی ہے۔

۴) ایس بی سی او ۷۹/۸۲ء کے تقاضے کے مطابق کے ای ایس سی کے سب اسٹیشن کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی گئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۷۰,۵۸۰ مربع فٹ کی ایئرکنڈیشنڈ عمارت کے لئے ۱۳۵۰ سے ۱۷۰۰ کلوواٹ بجلی کی ضرورت پڑے گی جس کے لئے ۱۶x۲۱ فٹ کا کے ای ایس سی سب اسٹیشن درکار ہوگا جس کا سامنے کا حصہ بلڈنگ کے فرنٹ پر ہونا چاہئے۔

تعمیر

بلڈر نے عمارت کی بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی دکانوں اور دفاتر کی فروخت کے لئے بڑے پیمانے پر تشہیری مہم بھی شروع کی گئی۔ متوقع گاہکوں کو جو "گلاس ٹاورز" کے سائٹ پر فینسی آفس میں آئے دو رنگین بروشر دیئے گئے (ایک شاپنگ مال کے لئے اور دوسرا دفاتر کے لئے) دھوکہ دینے کے لئے سائٹ پر جو ماڈل رکھا گیا تھا اس کی منظور شدہ پلان سے کوئی مشابہت یا مطابقت نہیں تھی۔ (اس میں تقریباً" ۳۵ فٹ سیٹ بیک جس میں پارکنگ سلاٹ اور کلفٹن روڈ سے پیدل چلنے والوں کے لئے راستہ دکھایا گیا تھا) اٹھارہ فٹ بلند گراؤنڈ فلور، میزانائین شاپنگ مال اور چھ، نو فٹ بلند دفاتر کے فلور دیئے گئے تھے اس طرح عمارت کی مجموعی اونچائی ۷۲ فٹ ہوتی ہے جبکہ کے بی سی اے کے منظور شدہ نقشے میں یہ صرف پچاس فٹ ہے۔

اس کے برعکس (بروشرز کے آخری صفحے پر) عمارت اور اس کے نواحی ماحول کی تصویر میں "گلاس ٹاورز" کو ایک گیارہ منزلہ عمارت دکھایا گیا ہے جس کا سیٹ بیک پی ایس او ہاؤس اور کومبس ٹاورز کے برابر ہے۔

اس پر مزید تضاد یہ کہ بکنگ آفس گراؤنڈ اور میزانائین (دکانوں کے لئے) پہلی اور دوسری منزل پارکنگ کے لئے اور تیسری سے سولہویں منزل تک دفاتر کے لئے فروخت کررہا ہے دکانیں تقریباً" دس ہزار روپے فی اسکوائر فٹ اور دفاتر تقریباً" ساڑھے تین ہزار روپے فی مربع فٹ کی شرح سے ہوں گی۔

دسمبر ۱۹۹۵ء میں میسرز ایکمل بلڈرز نے کے ایم سی کو درخواست دی کہ انہیں گلاس ٹاورز سے ملحقہ نالے کو پارکنگ اور عوام کی تفریح کے لئے ایک چھوٹے سے پارک کے طور پر ڈیولپ کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ اجازت مل گئی اور نالے کو (جو کہ ایک پبلک سہولت ہے) بلڈر نے فوراً" آر سی سی سلیبوں سے ڈھانپ دیا تاکہ اسے تعمیراتی سامان اسٹور کرنے اور اس کی تیاری کے لئے استعمال کیا جاسکے۔

جنوری ۱۹۹۶ء کے شروع میں کے بی سی اے نے ایس بی سی او ۷۹/۸۲ء کے ریگولیشن نمبر ۲۹ کے تحت میسرز ایکمل بلڈرز کو تین دن میں اظہار وجوہ کا نوٹس دیا اور حکم دیا کہ تعمیراتی کام روک دیا جائے کیونکہ بیسمنٹ اور گراؤنڈ فلور کے کچھ حصوں میں آر سی سی کالمز اور گرڈز کی پوزیشن تبدیل کردی گئی ہے۔ نوٹس میں اس حقیقت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ عقبی

حصے میں پندرہ فٹ کے لازمی کھلے حصے کو بھی غیر قانونی طور پر کورڈ کرلیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی بلڈر نے وزیر اعلیٰ سندھ کو درخواست دی کہ انہیں ۱۹ منزلہ منفرد بلڈنگ کی تعمیر کی خصوصی اجازت دی جائے جس میں پلاٹ کا تناسب ۱:۸ ہو (جبکہ قواعد صرف ۱:۳ کے تناسب کی اجازت دیتے ہیں۔) وزیر اعلیٰ نے یہ اجازت دے دی۔

اس دوران نوٹس کا اطمینان بخش جواب نہ ملنے پر کے بی سی اے نے گراؤنڈ فلور پر غیر قانونی طور پر تعمیر کئے جانے والے لازمی کھلے حصے پر عمارت کا کچھ حصہ ڈھا دیا۔ جس پر بلڈر نے سندھ ہائی کورٹ میں ۲۵ جنوری ۱۹۹۶ء کو ایک دیوانی مقدمہ دائر کردیا اور کے بی سی اے کے خلاف حکم امتناعی حاصل کرلیا، ڈھائی ماہ بعد کے بی سی اے نے ایک تحریری بیان کے ذریعے عدالت کو مطلع کیا کہ بلڈر نے متعدد بے ضابطگیاں کی ہیں اور اس کی بڑی بڑی خلاف ورزیوں کو ریگولرائز نہیں کیا جاسکتا۔

شہریوں کی مداخلت

ممتاز کالم نویس اردشیر کاؤس جی نے پورے معاملے کو اچھالا، ایک ہفتے کے اندر ہی وزیر اعلیٰ نے ڈپٹی کمشنر (ساؤتھ) کے ذریعے "گلاس ٹاورز" کی تعمیر رکوادی اور کمشنر کراچی کو حکم دیا کہ وہ تحقیقات کریں اور خاص طور پر مطلوبہ سیٹ بیک پر توجہ دیں اور مستقبل میں سڑک کی توسیع اور اس علاقے/زون میں پلاٹ کے تناسب کے بارے میں رپورٹ کریں۔ (یہ امر قابل توجہ ہے کہ بلڈر نے وزیر اعلیٰ/ڈپٹی کمشنر کے حکم کی تو تعمیل کی اور کام فوراً" بند کردیا، لیکن کے بی سی اے کے ۴ جنوری ۱۹۹۶ء کے نوٹس کی تعمیل نہیں کی بلکہ کے بی سی اے کے خلاف مقدمہ دائر کریا کہ اسے کارروائی سے روکا جائے) شاید کراچی شہر میں غیر قانونی تعمیرات کو کنٹرول کرنے کا کام وزیر اعلیٰ کو براہ راست خود کرنا ہوگا!!

ایک اہم عنصر جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے ہیں وہ بے تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی، کثیرالمنزلہ عمارتیں، تعمیر کی جارہی ہیں اور رہائشی علاقے تجارتی علاقوں میں تبدیل کئے جارہے ہیں

جنوری سے مئی ۱۹۹۶ء کی مدت کے دوران مقدمہ نمبر ۹۶/۵۵ کی کئی پیشیاں پڑیں۔ کے بی سی اے کے وکیل نے یا تو خود التوا کی درخواست کی یا ایسی درخواست سے اتفاق کیا (یہ کے بی سی اے کی "نوراکشتی" کا اسٹینڈرڈ پروسیجر ہے جس کے ذریعے بلڈر کو وقت دیا جاتا ہے کہ وہ غیر قانونی پروجیکٹ کو مکمل کرلے اور تھرڈ پارٹی قابضین کو بھی کیس میں شامل کرلے اب اس مقدمے کی تاریخ سماعت اگست ۱۹۹۶ء مقرر ہوئی ہے۔

ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے نے (غالباً" کمشنر کی طرف سے جو کے ڈی اے کے چیئرمین بھی ہیں) ۳ جون ۱۹۹۶ء کو گلاس ٹاور کی تعمیر کو درست اور جائز قرار دے دیا کیونکہ یہ پایا گیا کہ تعمیر منظور شدہ نقشے کے مطابق ہورہی ہے اور مستقبل میں سڑک کی توسیع کے لئے دس فٹ سیٹ بیک رکھا گیا ہے (یہ غلط بیانی ہے) انہوں نے کہا کہ جنوری ۱۹۹۶ء میں کے بی سی اے نے عقبی لازمی کھلے حصے میں ناجائز تجاوزات کو گرانے کے لئے انہدام کیا تھا (حالانکہ یہ خلاف ورزی اب بھی موجود ہے) لیکن وہ یہ نشاندہی کرنے میں ناکام رہے کہ

..... وہ غیر قانونی تعمیر اب بھی موجود ہے جس کی بنیاد پر کے بی سی اے نے اظہار وجوہ کے نوٹس ایس بی سی او کے تحت جاری کئے تھے کہ "کالمز کی پوزیشن تبدیلی کی گئی ہے) اسٹرکچرل پلان کی خلاف ورزی سے پبلک سیفٹی اور پارکنگ لے آؤٹ متاثر ہوتے ہیں۔

..... گراؤنڈ فلور کی اونچائی غیر قانونی طور پر ۱۴ فٹ سے بڑھا کر سولہ فٹ کی گئی تاکہ پانچ فٹ منظور شدہ لافٹ کی جگہ ساڑھے سات فٹ کے غیر قانونی میزانائین کی گنجائش پیدا کی جاسکے۔

..... پلاٹ کے عقبی اور نالے والی سائڈ پر پندرہ فٹ کے لازمی کھلے حصے کو کورڈ کیا گیا۔

..... ہائی کورٹ میں زیر سماعت مقدمہ ۹۶/۵۵ کا ذکر جس میں کے بی سے ای کو بلڈر کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

..... ستونوں اور بنیادوں میں غیر معمولی طور پر بھاری ری انفورسمنٹ جو بی، جی، ۴ فلور عمارت کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلڈر موجودہ سرگرمی ختم ہونے کے بعد مزید تعمیر کا ارادہ رکھتا ہے)

..... سڑک کی ۱۵۰ فٹ چوڑائی کے حصول کے لئے کٹ لائین درحقیقت کم از کم ۵۰ فٹ ہونی چاہئے۔

۵ر جون ۱۹۹۶ء کو کے بی سی اے نے ایکسل بلڈرز کو ایک خط کے ذریعے تعمیر جاری رکھنے کی اجازت بحال کردی۔ (یہ یقیناً ایک حیرت انگیز "نوراکشتی" ہے) ایک طرف تو کے بی سی اے غیر قانونی تعمیرات کو روکنے کے لئے بلڈر کے خلاف مقدمہ لڑ رہی ہے لیکن دوسری جانب کے بی سی اے بلڈر کو تحریری اجازت دے رہی ہے کہ وہ غیر قانونی تعمیر کا کام جاری رکھے، ہائی کورٹ اس صورت حال کو ناقابل یقین نہیں سمجھے گی؟

مہینے کے آخر میں شہری برائے بہتر ماحول نے "حقائق نامہ" جاری کیا جس میں اس "نوراکشتی" کی تاریخ وار تفصیلات دی گئی ہیں (اس کی نقول شہری کے دفاتر سے حاصل کی جاسکتی ہیں) اور اس کی نقول صدر، وزیر اعظم، چیف جسٹس صاحبان، وزیر اعلیٰ، گورنر، کمشنر وغیرہ تمام اعلیٰ حکام کو بھیجی گئیں۔ لیکن بے سود!!

بہرحال شہریو! دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں، اب بھی عدلیہ کلفٹن کے علاقے کو بچاسکتی ہے یا شاید وزیر اعظم جو کلفٹن کی پرانی اور ممتاز باسی ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے محلے کے ماحول کو بچانے کے لئے مداخلت کرنے کا فیصلہ کریں۔

مثبت معاشرتی تبدیلی کے لئے

صادقہ صلاح الدین

غیر سرکاری تنظیمیں اگر کسی ایک مضبوط بندھن سے بندھی ہوئی نظر آتی ہیں تو وہ سماجی تبدیلی کی خواہش ہے۔ معاشی اور سماجی ناانصافیوں سے گھرے ہوئے اس معاشرے میں امیدوں کے یہ چراغ بہت غنیمت ہیں گو کہ ان میں سے کچھ چراغوں کی لو بہت مدھم ہے اور کچھ شام ہی سے بجھے سے نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ایسے چراغوں کی بھی کوئی کمی نہیں جن کی وجہ سے دوسرے چراغ جل رہے ہیں۔ رضاکارانہ تنظیموں کی تعداد میں روزافزوں ترقی اسی عمل کا مظہر ہے۔

سماجی تبدیلی کے حصول کے لئے ان تنظیموں نے اپنی اپنی سوچ، تجربہ اور مہارت کے مطابق مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ تنظیمیں ہمیں انواع و اقسام کی سرگرمیوں میں مصروف نظر آتی ہیں۔ سرگرمیاں خواہ کچھ ہی ہوں مگر تلاش ایک ہی منزل کی ہے۔ یعنی ایک ایسے معاشرے کا قیام جو جمہوری اقدار پر مبنی ہو، جہاں انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہوں اور عام شہری باعزت زندگی بسر کرسکیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سرگرمیاں خواہ وہ تعلیمی میدان میں ہوں، صحت سے متعلق ہوں یا بنیادی سہولتوں پر مرکوز ہوں، معاشرے میں خاطر خواہ سماجی تبدیلی کی نوید لاسکتی ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا غیر سرکاری تنظیمیں معاشرے کے اصل مسائل کو حل کر رہی ہیں یا مرض کی صحیح تشخیص ہوئے بغیر صرف علامات کے علاج میں مصروف ہیں؟ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ علاج اگر صرف علامات کا ہو تو مرض بار بار سر اٹھاتا ہے۔ دیرپا علاج کے لئے مرض کے اسباب کو سمجھنا اور ان کا سدباب کرنا ہوگا۔

تو پھر اب اس پر تھوڑی سی گفتگو کی جائے کہ اس معاشرے کے اصل مسائل کیا ہیں۔ کیا یہ مسائل ناخواندگی، تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی، معاشی ترقی کے محدود امکانات، صحت کا گرتا ہوا معیار وغیرہ ہیں یا یہ صرف علامات ہیں اور اصل اسباب کچھ اور ہیں۔

این جی او آر سی میں کام کرنے کے حوالے سے مجھے زندگی کی سچائیوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ گو کہ اس رابطے کو بہت عرصہ نہیں ہوا لیکن اس قلیل عرصے میں مسائل کی تہیں کھلتی ہوئی نظر آئیں۔ استحصال اور بدعنوانیوں کے ناقابل یقین مظاہرے دیکھے اور ظلم کی ہوش ربا داستانیں سنیں۔ ان کہانیوں کو دہرانا یہاں ممکن نہیں کیونکہ ان کہانیوں کے کرداروں میں کچھ باعزت افراد اور گروہوں کا ذکر بھی آتا ہے جن کی پردہ پوشی مصلحت کا تقاضہ ہے۔

میں آج ذکر صرف دیہی معاشرے کا کروں گی جہاں اکثریت ان گھرانوں کی ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ زراعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا تو یہ بہت چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کے مالک ہیں یا کسی دوسرے کی زمین پر کام کرتے ہیں۔ اس طبقے میں آپ کو شاید ہی کوئی ایسا گھرانہ نظر آئے جو قرض کے بوجھ تلے نہ دبا ہوا ہو۔ یہ قرض کسی مالی ادارے کا نہیں کیونکہ وہاں تک نہ تو ان کی پہنچ ہے اور نہ ہی وہ ان اداروں کی شرائط کو پورا کرسکتے ہیں۔ ان کسانوں پر قرض علاقے کے آڑھتیوں کا ہے جو بیج اور کھاد کے لئے مالی ذرائع فراہم کرکے، ایک جانب ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور دوسری جانب سود کی زنجیروں میں ان کی آنے والی نسلوں تک کو جکڑ لیتے ہیں۔ اس غیر رسمی' استحصال پر مبنی مالیاتی نظام میں ادائیگیاں اکثر جنس کی صورت میں ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ان کی مالی قدر کو دیکھا جائے تو سود کی شرح ۱۰ سے ۱۲ فیصد ماہانہ تک ہوتی ہے۔ میں نے ایسے بھی واقعات سنے جب کسی نے اپنے بچے کی بیماری کی وجہ سے ۵ ہزار روپے ایک ماہ کے لئے ادھار لئے اور ایک ماہ بعد ۵ کی جگہ ۶ ہزار روپے ادا کئے۔

کہانی صرف یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ کاشت کار کو اپنی پیداوار بھی ان آڑھتیوں کے ہاتھوں بازار سے سستے داموں فروخت کرنی ہوتی ہے اور یہ آڑھتی ستاروں کی طرح اس پیداوار میں سے ضائع ہونے کا حصہ (Sastage) کاٹتے ہیں۔ ہمارے مالی ادارے جو چھوٹے کسانوں کے لئے آئے دن کم سود پر اسکیموں کا اعلان کرتے ہیں نہ جانے کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ مجھے حسرت ہے کہ میں ایسے چھوٹے کسانوں سے ملوں جو ان مالیاتی اداروں سے قرضہ لینے میں کامیاب ہوئے ہوں۔

سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ جب اس زرعی پیداوار پر سرکاری محصولات یا ڈھل آبیانہ، زمین کا لگان وغیرہ دینے کی بات آتی ہے تو استحصال کی ایک اور شکل سامنے آتی ہے۔ نظام ایسا ہے کہ کاشت کاروں کو بالکل یہ علم نہیں ہوتا کہ ان سے کس مد میں کس شرح کے مطابق ڈھل مانگا جارہا ہے۔ ڈھل کے جدول بنتے تو ضرور ہیں لیکن ان کی دستیابی بہت کٹھن ہے۔ نہ انہیں کہیں آویزاں کیا جاتا ہے اور نہ متعلقہ علاقوں میں تقسیم کرنے کا کوئی رواج ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ پٹے دار اور مختیار کار مسلح پولیس والوں کے ہمراہ گاؤں میں جاتے ہیں اور کاشت کاروں کو بتاتے ہیں کہ تم پر اتنے ہزار روپے واجب ہیں۔

باقی صفحہ 18 پر

سرگرمیاں خواہ کچھ ہی ہوں، تلاش ایک ہی منزل کی ہے یعنی ایک ایسے معاشرے کا قیام جو جمہوری اقتدار پر مبنی ہو جہاں انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہوں اور عام شہری باعزت زندگی گزار سکیں

ماحولیاتی تحفظ اور ایڈووکیسی

ماحولیاتی ابتری کے خلاف جدوجہد کے لئے یہ ضروری ہے کہ معلومات عوام تک پہنچائی جائیں نوید حسین

پاکستان کی سیاسی معاشرتی اور معاشی صورتحال کے تناظر میں ماحولیاتی ایڈووکیسی پر روشنی ڈالتے ہیں

عوامی مسائل کی وکالت دنیا بھر میں کی جاتی ہے' لیکن یہ مخصوص معاشروں اور اس کے اداروں میں کی جاتی ہے' لہٰذا حکمت عملی پر غور کرنے سے پہلے دونوں مسئلوں یعنی اندوکسی اور ماحول کا الگ الگ جائزہ لینا ضروری ہے۔ ایسا کرنا ناگزیر ہے کیونکہ وکالت اور ماحول دونوں کو پاکستان کے سماجی اور اقتصادی پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ ترقی یافتہ ملکوں کے برعکس ہم ترقی پذیر ممالک کے لوگوں کو شدید پابندیوں اور محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے کام کرنا پڑتا ہے۔

تعریف کے مطابق انڈووکیسی نام ہے کسی حقیقی یا متوقع تکلیف یا شکایت کو مناسب فورم پر پیش کرنے اور غلط کاموں کو درست کرانے کی کوشش کرنے کا۔ اس کام میں کم از کم پانچ بڑی رکاوٹیں ہیں۔ اول ہمارے ہاں سنکیت اور لاپرواہی ہے جس کی وجہ سے رائے عامہ اور حمایت کو متحرک کرنا بہت مشکل ہے یہ اس رویئے سے پیدا ہوتی ہے کہ "کیا فائدہ کچھ بھی تو نہیں بدلے گا۔" یہ رویہ طویل عرصے تک سیاستدانوں' مملکت' ذرائع ابلاغ' مذہبی رہنماؤں اور دیگر رائے عامہ کے لیڈروں کے ہاتھوں پے در پے چوٹیں کھانے اور دھوکہ اٹھانے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام حقیقی کوششوں پر بھی شک کرتے ہیں اور بعض اوقات تو ان لوگوں پر بھی شک و شبہے کا اظہار کیا جاتا ہے جو تبدیلی لانے کی حمایت کرتے ہیں۔

دوسرے یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں خواندگی کی شرح صرف ۳۱ فیصد ہے۔ عوام کا ایک بڑا حصہ انتہائی غربت کے عالم میں زندگی بسر کرتا ہے' جہاں ساری جدوجہد صرف بقائے حیات کے لئے ہے جہاں ماحولیاتی مسائل ترجیحات کی فہرست میں اوپر نہیں ہیں۔ یہ کہنا انتہائے سادگی نہیں کہ جہالت اور غربت ناروا داری کو پروان چڑھاتے ہیں اصل مسائل مثلاً ماحولیات اور انسانی حقوق کا احترام وغیرہ کو نان ایشوز (غیر حقیقی مسائل) کے پردے میں چھپا دیا جاتا ہے۔ ایڈووکیسی کے لئے عوام کی حمایت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب قوم نسلی' فرقہ وارانہ اور جنس کی بنیاد پر بٹی ہوئی ہو تو یہ کام اور بھی زیادہ کٹھن ہو جاتا ہے۔

تیسرے پاکستان چونکہ اب بھی ایک نیم قبائلی اور جاگیردارانہ معاشرہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ریاست اور اس کے اداروں میں ایک پدرانہ رویہ پیدا ہوگیا ہے جسے "میں سب سے بہتر جانتا ہوں" کے کلیشئے میں باآسانی سمیٹا جاسکتا ہے۔ جہاں حکومت کی پالیسیوں اور موجودہ صورت حال کے بارے میں سوال کرنا غیر معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں مملکت کی حمایت درکار ہوتی ہے اور ہمارے ملک میں اس کا فقدان ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سیاستدان اور افسران مفاد پرستوں کے ساتھ مل کر اور ان کی سرگرمیوں میں شریک ہوکر ماحولیاتی انحطاط سے مادی فوائد حاصل کرتے ہیں۔

چوتھے معاشرے کا ایک چھوٹا لیکن طاقتور طبقہ ہر معاملے میں اپنی من مانی کرنے کا اتنا عادی ہے کہ وہ پورے معاشرے اور ماحول کی قیمت پر بھی اپنی مرضی کے مطابق راہ اختیار کرتا ہے کیونکہ یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ غیر قانونی طور پر بھی مالی فوائد حاصل کرنا اس کا حق ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کے اس طبقے سے شاید ہی کوئی حمایت مل سکے۔ جو لوگ ایڈووکیسی کر رہے ہیں دراصل وہ موجودہ صورت حال کو چیلنج کر رہے ہیں اور وہ بھی اس مسئلے کا ایک حصہ بن کر رہ جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں انحصار کا کام ہے۔ یہ انحصار معاشرے کے اس طبقے کے حوالے سے ہے جو مسائل کے حل کے لئے صرف مسلسل حکومت کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اسی ہلاکت خیز رویئے سے چھٹکارا پانا ہوگا اور شہریوں کو یہ احساس کرنا ہوگا کہ وہ اپنی زندگی خود سنواریں' اپنے مسائل خود حل کرنا سیکھیں بجائے اس کے کہ وہ ریاست یا کسی بیرونی مداخلت کی کارروائی کا انتظار کریں۔

ماحولیاتی تحفظ کے لئے مستقل ترقی کی ضرورت ہے۔ نسلوں کے درمیان مساوات ایک ایسا مسئلہ ہے جو اب بہت زیادہ سامنے آتا جارہا ہے۔ کیونکہ اب یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ ترقیاتی حکمت عملی طے کرتے وقت قدرتی وسائل کے حوالے سے آنے والی نسلوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھا جائے۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھا جائے کہ پاکستان کی آبادی ۱۴۰ ملین نفوس ہے اور ہمیں ہر سال ۴ء۲۵ ملین اضافی افراد کی خوراک کا انتظام کرنا ہوگا۔ قابل کاشت اراضی پر بہت زیادہ دباؤ ہے اور ملک اس وقت بھی اور آئندہ اوز زیادہ اشیائے خوراک کا امپورٹر بن جائے گا۔ اگر ناخواندگی' آبادی میں بے تحاشہ اضافے اور آمدنیوں میں عدم تفاوت کی موجودہ سطح برقرار رہی تو ماحول پر اور زیادہ دباؤ پڑے گا' کیونکہ زمین اور اس کے محدود وسائل پر دباؤ بڑھتا چلا جائے گا۔

شہری علاقوں میں ماحولیاتی انحطاط کے نتیجے میں گنجان آباد کچی بستیاں وجود میں آرہی ہیں جو نہ صرف پینے کے صاف پانی اور سیوریج کی سہولتوں سے محروم ہیں بلکہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر پھیلتی جارہی ہیں۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۲۰۰۰ء تک شہروں میں تیزی سے آبادی کی نقل مکانی کے سبب ۱۶۵ ملین آبادی کا ۴۵ فیصد شہروں میں رہ رہا ہوگا۔

ایک ایسی دنیا میں جو ماحول کے بارے میں بڑی فکرمند ہے جو قومیں اپنے ماحول اور انسانی حقوق کے مسائل کو نظرانداز کریں گی وہ سرمایہ کاری تک رسائی کے معاملے میں دنیا سے الگ تھلگ ہوتی چلی جائیں گی۔ ماحولیاتی انحطاط کی وجہ سے برآمدی مارکیٹوں یا سرمایہ کاری سے محروم ہوجانے کا عمل تو پہلے ہی شروع ہوچکا ہے اور اس بنیاد پر پاکستان کو قالین

سازی' جراحی کے آلات اور ماہی گیری کے شعبوں میں نوٹس دیا جا چکا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم بہتر ماحول کی ایڈووکیسی کیونکر کریں؟ بظاہر تو راستہ یہی ہے کہ پرنٹ میڈیا کے ذریعے' لیکن ایک ایسے معاشرے میں جہاں خواندگی کی شرح کم ہو یہ پیغام محدود حلقے تک ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد سیمینارز' ورکشاپس' عوامی سماعتیں آتی ہیں یہ بھی عوام کی ایک محدود تعداد کو کور کرسکتے ہیں۔ البتہ یہ ایسے فورمز کا کام انجام دے سکتے ہیں جہاں سے شعور عامہ بیدار کرنے' معلومات پھیلانے اور فیڈ بیک حاصل کرنے کا کام کیا جاسکتا ہے۔ عوامی نمائندوں سے رابطہ بظاہر ایڈووکیسی کا ایک سیدھا سادھا طریقہ ہے لیکن ہمارے ملک کے مخصوص حالات میں یہ بھی محض وقت کا زیاں ہے' کیونکہ ہمارے منتخب نمائندے نان ایشوز میں گھرے رہتے ہیں یا اقتدار کی رسہ کشی میں لہٰذا ان کی دلچسپیاں اور فوکس کہیں اور ہوتا ہے۔

فلم شوز ایڈووکیسی کا ایک پرکشش' معلوماتی اور تفریحی ذریعہ بن سکتے ہیں' ایک ایسے معاشرے میں جہاں تعلیم ہر شخص کی پہنچ میں نہ ہو یہ ایک طاقتور ہتھیار بن سکتے ہیں ٹی وی کا میڈیا اب بھی این جی اوز کی دسترس میں نہیں ہے کیونکہ یہ ریاست اور طاقتور پیوستہ مفاد کے خلاف ایک موثر خطرہ بن سکتا ہے۔

جب طاقتور پیوستہ مفاد سے مقابلہ ہو تو ایسی صورت میں دوسری شہری تنظیموں کے ساتھ رابطہ اور اشتراک ضروری ہوجاتا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر ایک وسیع تر پلیٹ فارم تشکیل دینا ہوگا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ گزشتہ سال "شہری" نے کراچی ماس ٹرانزٹ پروجیکٹ کے بارے میں بحث کے لئے ایک پلیٹ فارم کے قیام میں مدد دی۔ شہری اس پروجیکٹ کے روٹس پر ماحولیاتی نتائج کے بارے میں ناخوش تھے اور اس سلسلے میں زیادہ ٹرانسپرنسی چاہتے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ

ہمارے یہاں ماحولیاتی مسائل ترجیحات میں سرفہرست ہیں جہالت اور غربت ناروا داری کو پروان چڑھاتے ہیں جبکہ ایڈووکیسی کے لئے عوام کی حمایت ضروری ہوتی ہے

منصوبے پر نظرثانی کی جائے اور سرکلر ریلوے کو کے ایم ٹی پی سے مربوط کیا جائے جو بہت کم لاگت سے کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح عوام کے دباؤ کی وجہ سے ملک عالمی بینک سے ایک ارب ڈالرز کا قرضہ لینے سے بچ گیا اور بالاخر عالمی برادری نے اس منصوبے میں سرمایہ کاری کی پیشکش کی۔

ملک کے تمام حصوں میں شاخیں قائم کرکے پبلک آؤٹ ریچ میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے تنظیموں کی عدم مرکزیت میں بھی مدد ملتی ہے۔ قانونی وکالت اس ملک میں ایک سست رفتار اور مہنگا طریقہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ "حکم امتناعی" حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اکثر اس کی بھی خلاف ورزی کی جاتی ہے' کیونکہ عدلیہ کو بھی اپنے عدالتی احکامات پر عملدرآمد کے لئے ریاستی اداروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

این جی اوز کے پاس محدود فنڈز ہوتے ہیں وہ تمام رقم مقدموں پر نہیں لگا سکتیں' عوامی ایڈووکیسی کے لئے یہ ذہانت ضروری ہے کہ ایک مخصوص صورت حال سے کس طرح نمٹا جاسکتا ہے اور کم سے کم وسائل کے ذریعے کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

انسانی وسائل کا بدل کوئی چیز نہیں ہوسکتی' کیونکہ اگر عوام کو متحرک کرنے میں کامیابی ہوجائے تو بہت سی مشکلات سر ہوجاتی ہیں۔ لہٰذا **مہمیں** یا کمیونٹی ڈیولپمنٹ ورک عوام کو متحرک کرنے کا سب سے موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعے انہیں مسائل سے نمٹنے کا ہنر سکھایا جاتا ہے پاکستان کے بعض نمائشی منصوبے مثلاً اورنگی پائلٹ پروجیکٹ وغیرہ این جی اوز کے کام کے حوالے سے اسی علاقے میں موجود ہیں۔

کمیونٹی کے کام کے لئے رویئے کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ کمیونٹی کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہمیں اپنے محدود معاشی وسائل کو پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ مقاصد حقیقت پسندانہ ہوں اگر غیر حقیقت پسندانہ مقاصد ہوں تو اس سے ناکامی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ہم جس کمیونٹی کے ساتھ کام کررہے ہیں اس کے بارے میں ہمارا رویہ ہمدردانہ اور مفاہمانہ ہونا چاہئے۔

آخر میں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ماحول کی وکالت بھی' انسانی' اقلیتی حقوق کی وکالت یا اخبارات کے لئے کام کرنے والوں کی طرح ایڈووکیسی کرنے والے کو حقیقی خطرات سے دوچار کرسکتی ہے۔ ماحولیاتی انحطاط سے بہت دولت کمائی جاتی ہے اور اس ذریعے کو ختم کرنے کے لئے بہت طاقتور گروپوں سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی فرد یا این جی او ایسی صورت حال نہیں پیدا کرنا چاہتی جس میں انسانی زندگیوں کو خطرہ ہو' لیکن مفاد پرستوں کو سخت پیغام دینے کے لئے ایسے بھی حالات ہوتے ہیں جہاں حقیقی محاذ آرائی ہوتی ہے' اگر کوئی شہری گروپ اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرکے جیت جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ہارا ہوا علاقہ پھر جیت لیا ہے اور یہ اس کمیونٹی کی حقیقی فتح ہوتی ہے۔ □

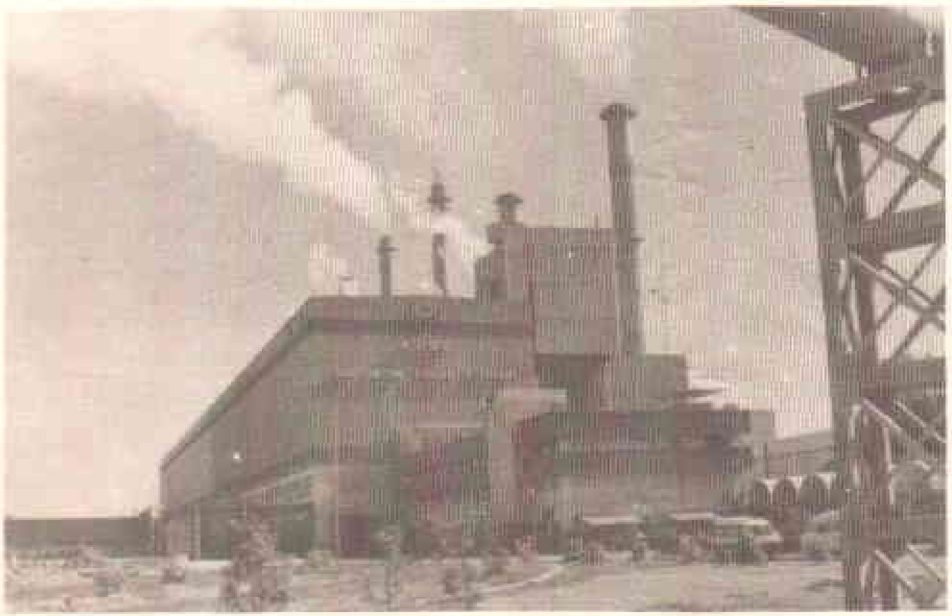

بن قاسم پر کے ای ایس سی کے پاور پلانٹ سے اٹھنے والی آلودگی

کھلونے بنانے کے لئے امریکی ٹھیکے

غریب ایشیائی ممالک میں کھلونے بنانے والوں کو قلیل معاوضہ دیا جاتا ہے' ہمارا مطالبہ ہے کہ ایشیا میں مزدوری کے مناسب معیار اختیار کئے جائیں

مجھے تمہاری دوکان کے کھلونے نہیں چاہئیں "پچھلے برس یہ بات الی نوائے سے ایک دس سالہ بچے نے ارکنساس سے تعلق رکھنے والی رعایتی نرخوں کی دوکان کے سلسلے میں وال مارٹ کو لکھی۔ اس بچے نے تھائی لینڈ میں تیار "پاور رینجر" واپس کردی۔

وال مارٹ کو اس بچے کا یہ خط صارفین کے لئے ایک تحریک کا حصہ تھا جس نے انسانی حقوق کے کارکن کھلونے بنانے والی ان امریکی کمپنیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں جو تیاری کا کام ایشیائی ممالک میں ٹھیکے پر دے دیتی ہیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ یہ امریکی کمپنیاں ایسا ضابطہ اخلاق بنائیں جس میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ایشیا میں کام کو آگے ٹھیکہ پر دینے والے مزدوری اور تنخواہوں کے بین الاقوامی معیار کو پورا کریں گے۔

مزدوروں کے حقوق پر کام کرنے والوں کے مطابق ایشیا میں کھلونے بنانے والے' جن میں تقریباً" نوے فیصد عورتیں ہیں' قلیل تنخواہوں پر روزانہ دس سے چودہ گھنٹے' ہفتے میں چھ یا سات دن کام کرتے ہیں۔ ان مزدوروں کو کوئی اوور ٹائم نہیں دیا جاتا اور حفظان صحت' رہائش اور علاج کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ کارخانوں میں اکثر حفاظتی ساز و سامان نہیں ہوتا۔ امریکن فیڈریشن آف لیبر اینڈ کانگریس آف انڈسٹریل آرگنائزیشنز' جو کہ امریکہ میں بڑی ٹریڈ یونین ہے' کی شیرول گویو کہتی ہیں "امریکہ میں ایک متوسط طبقے کا بچہ سال بھر میں ۳۰۰ ڈالر سے زیادہ کے کھلونے خریدتا ہے جبکہ غریب ایشیائی ممالک میں کھلونے بنانے والوں کو ایک ڈالر فی گھنٹہ سے بھی کم معاوضہ ملتا ہے" یہ مناسب نہیں' ہم چاہتے ہیں کہ کھلونے بنانے والی کمپنیاں ایشیا میں مزدوری کے مناسب معیار اختیار کریں"۔

تھائی لینڈ اور ایشیا کے دیگر حصوں کے کھلونوں کے کارخانوں میں کام کرنے والی ہزاروں لڑکیوں اور عورتوں کو دن کے چودہ گھنٹے کام کرنے کا معاوضہ صرف پانچ امریکی ڈالر دیا جاتا ہے اور برسلز میں قائم انٹرنیشنل کنفیڈریشن آف فری ٹریڈ یونین (ICFTU) کے مطابق کئی کارکنوں کو زیادہ اجرت طلب کرنے پر نوکری سے نکال دیا جاتا ہے۔ صارفین کے گروپ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ امریکی کمپنیاں ایسا ضابطہ اخلاق نافذ کریں جو اجرت اور تحفظ کے قوانین کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ امریکی کمپنیاں ان قوانین کا جائزہ لینے پر رضامند ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایشیا میں کھلونوں کے زیادہ تر کارخانے امریکہ' یورپ یا جاپان کی کثیرالقومی کمپنیوں کی ملکیت ہیں یا پھر ان کے ٹھیکے پر ہیں۔

آئی سی ایف ٹی یو کے جنرل سیکریٹری بل جارڈن کہتے ہیں "ان کارخانوں میں کام کی صورت حال بین الاقوامی طور پر متفقہ بنیادی معیار پر بھی پورا نہیں اترتی' پچھلے دو برس میں چین اور تھائی لینڈ میں ۲۵۰ سے زیادہ مزدور آگ یا دیگر صنعتی حادثوں میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ٹریڈ یونین والے کارخانوں میں آگ کے لئے کثیرالقومی کمپنیوں اور علاقہ کی حکومت کو برابر کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں"۔

چین اور تھائی لینڈ کے افسران یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صنعتی حادثات ناکافی حفاظتی انتظامات کی وجہ سے ہوئے' لیکن اے ایف ایل سی آئی او کے کارکنان کہتے ہیں کہ بیرونی سرمایہ کاروں کو خوش کرنے کے لئے یہ لوگ حفاظتی قوانین کی خلاف ورزی کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

کھلونوں کے خلاف مغربی تحریک میں ایشیا کے انسانی حقوق کے مقامی علمبردار سب کے سب شامل نہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ حالات خراب ہیں اور بہتری ہونی چاہئے' مگر ان کا کہنا ہے کہ کارخانے بند

کر دینے سے ہزاروں مزدور بے روزگار ہو جائیں گے۔ ان کے مطابق استحصال وسیع تر معاشی صورت حال کا حصہ ہے جو کہ معیار زندگی بلند ہونے سے ٹھیک ہو جائے گا۔ گریو کہتی ہیں "حکومتیں بیرون ملک سے آنے والی کاروباری سرمایہ کاری میں مزدور کے تحفظ سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں یہ جانتے ہوئے مغربی کمپنیاں خطرناک کارخانوں یا کارکنوں کی صحت کے بارے میں فکرمند نہیں ہوئیں"۔

مئی ۱۹۹۳ء میں تھائی لینڈ کی کیدر ٹوائے فیکٹری میں آگ لگنے سے ۱۸۰ سے زیادہ کارکن ہلاک ہوگئے تھے۔ کیدر امریکہ کی کھلونوں کی صنعت میں سب سے بڑا ناموں کے لئے مال تیار کرتی ہے جن میں امریکہ کے کسٹم کے ریکارڈ کے مطابق آرکو' کیز' گنڈ ۔ جے سی پینی' حسبرو' ٹوائز آر یو ایس' فشر پرائس اور ٹائیکو شامل ہیں۔ آئی سی ایف ٹی یو کی طرف تفتیش کے لئے جانے والوں نے ۱۹۹۳ء کے اواخر میں آگ لگنے والی جگہ کا معائنہ کیا اور کہا کہ کیدر میں کام کرنے والے زیادہ تر کارکن کنٹریکٹ کی بنیاد پر کام کر رہے تھے اور روزانہ ۴ ڈالر سے کم اجرت پاتے تھے۔

ان حالات کے برعکس' کثیرالقومی کمپنیوں کے منافع میں لگاتار اضافہ ہو رہا ہے ٹوائے مینوفیکچررز آف امریکہ جو کہ نیویارک میں قائم صنعتی تجارت کا گروپ ہے کے مطابق ۱۹۹۵ء میں امریکی کمپنیوں نے ۲۰ ملین امریکی ڈالر کی فروخت کی۔ ۱۹۹۴ء میں ان کا کل منافع ۹۰۰ ملین ڈالر تھا۔ جو کہ یورپی اور جاپانی کمپنیوں کے کل منافع سے ۳۰ فیصد زیادہ تھا۔ ٹی ایم اے نے اس مطالبے پر کوئی بیان دینے سے انکار کردیا جن کے مطابق اس کے ارکان کو کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کارخانوں میں کام کے حالات کا آزادانہ جائزہ لینے کی اجازت دیں لیکن اس کے نمائندہ جوڈی لیون نے آئی پی ایس کو بتایا "ہمارا اپنا ضابطہ اخلاق ہے جو کہ بہت کافی ہے"۔

ایشیا میں کام ٹھیکہ پر دینے والی بڑی کمپنیوں میں امریکہ کی میٹل اور ٹوائز آر یو ایس جبکہ جاپان کی حسبو' بنڈائی' ٹانمنٹنڈ اور سیگا شامل ہیں۔ سستی اجرت اور حفاظت اور اجرت کے قوانین کے کمزور نفاذ کی کشش میں ان میں سے کچھ کمپنیاں چین' تھائی لینڈ' ملائشیا' تائیوان' ہانگ کانگ' جنوبی کوریا اور فلپائن میں تیاری کا کام ٹھیکہ پر کروانے پر بہت انحصار کر رہی ہے۔ آئی سی ایف ٹی یو۔ کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق "برطانیہ میں بکنے والے کھلونوں میں ۷۵ فیصد ایشیا میں بنے ہوئے ہیں"۔

کچھ عرصہ پہلے ایک بیان میں آئی سی ایف ٹی یو کے جنرل سیکریٹری بل جارڈن نے کہا "یہ ثابت کرنا کمپنیوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کا ٹھیکہ دار کم از کم معیار کو پورا کرتا ہے۔ انہیں ضمانت دینا چاہئے کہ ان کی مصنوعات بے گار خانوں کے سے ماحول میں تیار نہیں ہوتیں"۔

یہاں کے اے ایف ایل' سی آئی او کے سرگرم ارکان کہتے ہیں کہ آئی سی ایف ٹی یو اور مزدوروں کے حقوق کے آواز بلند کرنے والے دیگر گروپوں کے دباؤ کے نتیجے میں بہت سی یورپی کمپنیاں ایسے ضابطہ ہائے اخلاق بنا رہی ہیں۔ جن سے اجرت اور حفاظت کے قوانین کا نفاذ یقینی بن جائے۔ لیکن ان کی شکایت یہ ہے کہ امریکی کمپنیوں کا ردعمل مایوس کن ہے۔

گریو کہتی ہیں "ابھی تک ہم نے کسی کمپنی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا' "ہاں" ہم یہ کریں گے۔

شیاپس (میکسیکو) کی ایک بچی مچھلی کے آرپار ہونے والے تیر پر دکھی ہے' میکسیکو کا لاکادون قبیلہ بارانی جنگلات اور آبی حیات کو بچانے کی جدوجہد کر رہا ہے

بینک فاریسٹ پارکس کی ترقی میں مدد دیں گے

ڈان میں حال ہی میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق نیشنلائزڈ بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے فاریسٹ پارکس اسکیم کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانے کے پروگرام میں مدد دیں گے۔ یہ فاریسٹ پارکس کے ڈی اے اور کے ایم سی کی جانب سے پارکوں اور اسپورٹس کمپلیکس کے لئے مختص کی جانے والی زمینوں پر ان علاقوں میں قائم کئے جائیں گے جو کم ترقی یافتہ اور پسماندہ ہیں۔ کراچی میں فاریسٹ پارکس قائم کرنے کا فیصلہ گزشتہ ماہ پاکستانی تحفظ ماحولیات کونسل کے سربراہ نے کیا تھا۔

دریں اثناء ماحولیات' شہری امور' جنگلات اور جنگلی حیات کی وزارت کے سیکریٹری ایم سلیمان فاروقی نے ڈویژنل کمشنر کراچی ضیاء الاسلام کو بہتر نتائج کے حصول کے لئے کوآرڈی نیٹر مقرر کیا ہے۔ نیشنل بینک کو دو فلاحی پلاٹ دیئے گئے ہیں۔ پہلے یہ پلاٹ (ایس ٹی ۔۵ اور ایس ٹی ۔۶) کلاسن میں ایک اسپورٹس کمپلیکس کی تعمیر کے لئے مختص کئے گئے تھے جو کے ایم سی کو تعمیر کرنا تھا۔ نیشنل بینک کے پلاننگ کے ماہرین اس پر کام کر رہے ہیں اور توقع ہے کہ اس منصوبے پر اسی ماہ کے دوران کام شروع ہو جائے گا۔

مسلم کمرشل بینک نے ناظم آباد میں "ابن سینا پارک" کو فاریسٹ پارک میں تبدیل کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

انٹرویو

رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود کراچی واٹر اور سیوریج بورڈ نے ترقی کی ہے

گلزار احمد میمن

انجینئر گلزار احمد میمن کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے ایک سینئر افسر اور کے ڈبلیو اینڈ ایس بی انجینئرز اینڈ آفیسرز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری ہیں۔ وہ بورڈ کے معاملات کے بارے میں شہری سے بات چیت کرتے ہیں۔

○ سوال۔ کراچی میں پانی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کن بڑے منصوبوں پر عمل کر رہی ہے؟

☆ جواب۔ ہم اس مسئلے کو ترجیحی بنیادوں پر نمٹا رہے ہیں' کراچی کی آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے لہٰذا طلب اور رسد میں فرق موجود ہے۔ اس وقت کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کراچی کو ۴۴۴ ملین گیلن پانی روزانہ فراہم کر رہا ہے جبکہ شہر کی ضرورت ۵۵ ملین گیلن یومیہ ہے۔ تاہم بڑے منصوبوں پر کام جاری ہے تاکہ اس فرق کو کم کیا جاسکے اور تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس سلسلے میں نمایاں کامیابی حاصل کی جا رہی ہے۔ عالمی بینک کی مدد سے دریائے سندھ سے مزید ایک سو ملین گیلن یومیہ پانی حاصل کرنے کا منصوبہ تعمیر کے ایڈوانس اسٹیج میں ہے۔ توقع ہے کہ یہ منصوبہ ۱۹۹۸ء میں مکمل ہو جائے گا۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً "۳۰ فیصد پانی رساؤ کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے "آبی نقصان کم کرنے" کے منصوبے پر بھی عمل ہو رہا ہے۔

○ سوال۔ سیوریج کا غلط اور غیر موزوں طریقے سے جمع کرنا اور ٹھکانے لگانا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جس کی وجہ سے صحت اور ماحول کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے کیا کر رہا ہے؟

☆ جواب۔ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی اس مسئلے سے آگاہ ہے اور حال ہی میں دو موجودہ ٹریٹ منٹ پلانٹس کو جو محمود آباد اور سائٹ میں واقع ہیں بحال کیا گیا ہے اور ان کی ٹریٹ منٹ کی استعداد کو ۴۰ ایم جی ڈی سے بڑھا کر ۹۷ ایم جی ڈی کر دیا گیا ہے۔ ۵۴ ایم جی ڈی استعداد کا ایک اور ٹریٹ منٹ پلانٹ ماری پور میں تعمیر کیا جا رہا ہے۔ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کراچی کے بڑے پارکوں میں استعمال شدہ پانی کی ری سائیکلنگ کے سات منصوبوں کی بھی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ پلانٹ استعمال شدہ پانی کو ری سائیکل کریں گے جسے ان پارکوں کی آب پاشی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اس طرح ساڑھے تین لاکھ گیلن پانی کی یومیہ بچت ہوگی جو پینے کے لئے دستیاب کیا جائے گا۔ نئے ٹرنک سیور بھی بچھائے جا رہے ہیں سیوریج کی صفائی کے آلات درآمد کئے جا رہے ہیں۔ آئندہ برسات کے موسم کی تیاری کے سلسلے میں حال ہی میں سیورز اور نالوں کی بڑے پیمانے پر صفائی کے پروگرام پر عمل کیا جا رہا ہے۔

○ سوال۔ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی ناجائز کنکشن اور پانی کی چوری جیسے مسائل سے نمٹنے کے لئے کیا کر رہا ہے؟

☆ جواب۔ کے ڈبلیو ایس بی کے نئے چیئرمین سید راحیل شاہ نے حال ہی میں پانی کی چوری روکنے' غیر قانونی کنکشن کاٹنے اور غیر قانونی ہائیڈرینٹس کو سیل کرنے کے لئے ایک ایکشن پروگرام شروع کیا ہے۔ بلدیہ ٹاؤن میں ایک ہائیڈرینٹ سربمہر کر دیا گیا ہے ہم نے شہر کے مضافات میں چھ پمپنگ مشینیں ضبط کی ہیں جس کے ذریعے غیر قانونی طور پر مین سپلائی لائین سے پانی حاصل کر کے پانی کے کھیتوں کو فراہم کیا جاتا تھا۔ اندازہ ہے کہ ان پمپوں سے ۲۶۸ ملین گیلن پانی روزانہ چوری کیا جاتا تھا۔ اب تک کے ڈبلیو اینڈ ایس بی ساڑھے تین ہزار کنکشن منقطع کر چکا ہے جن میں درجنوں ایسے فلیٹ سائیٹس بھی شامل ہیں جنہیں ہالیجی کنڈیوٹیٹ سے براہ راست ملا دیا گیا تھا' ان میں سے بیشتر گلشن اقبال میں تھیں بعض صنعتی اور تجارتی اداروں کے خلاف بھی کارروائی کی گئی ہے۔

> کراچی کی آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس وقت شہر کو ۴۴۴ ملین گیلن پانی روزانہ فراہم کیا جا رہا ہے جبکہ کراچی کی ضرورت ۵۵۰ ملین گیلن یومیہ ہے

○ سوال۔ کہا جاتا ہے کہ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کے افسران محلوں کی سطح پر شہریوں کی شکایات پر پوری طرح توجہ نہیں دیتے؟

☆ جواب۔ تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن کارروائی ضرور ہوتی ہے کے ڈبلیو اینڈ ایس بی بھی دوسرے سرکاری محکموں کی طرح ہے اور ضرورت سے زیادہ سرخ فیتے کی وجہ سے اس کے کام میں بھی رکاوٹ پڑتی ہے' ہمیں ہر طرح کے اندرونی اور بیرونی دباؤ کے تحت کام کرنا پڑتا ہے عوام کو اس کا احساس ہونا چاہئے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ پانی کی طلب اور رسد میں خاصا فرق ہے اور جب تک یہ فرق دور نہ ہو مسائل تو پیدا ہوتے رہیں گے۔ ضروریات پوری کرنے

باقی صفحہ 18 پر

تحریر : ش۔ فرخ

صادقین اکیڈمی کی آڑ میں

اس شام صادقین بہت یاد آئے

کچھ عرصہ قبل گلشن اقبال سے شہر کی جانب 'نیپا چورنگی کے قریب سے گزرتے ہوئے صادقین کے نام کے حروف انگریزی میں لکھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ خیال آتا' شہر کی گھما گھمیوں سے دور' کبھی لاہور کی شملہ پہاڑی کے اوپر کبھی فریئرہال کراچی کی عمر رسیدہ عمارت کے نیچے گزر بسر کرنے والے صادقین بھلا سرباز ار کیا کر رہے ہیں۔ لیکن کبھی موقع نہ ملا کہ جا کر معلوم کروں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

یہ تجسس اس وقت پھر سے جاگ اٹھا جب اسی گزرگاہ سے سفید براق چادروں سے ڈھکے میزوں پر سرخ رومال سجے دکھائی دینے لگے۔ لیکن اس وقت تک سمجھ نہ آسکا جب تک کہ ایک میٹنگ کے سلسلے میں صادقین شادی ہال میں داخل ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ اب اس نقار خانے کی بیرونی دیوار پر صادقین اکادمی اور صادقین کیلی گرافی اسکول کے بورڈ آویزاں ہیں۔

زندہ قومیں اپنے ادیبوں اور فنکاروں کی یادگاریں بنایا ہی کرتی ہیں۔ ان کی پزیرائی کسی نہ کسی طور ہوتی رہتی ہے۔ ان کے نام کو زندہ رکھنے اور انہیں یاد کرنے کے سو بہانے۔ یہ لوگ قومی ورثہ ہوتے ہیں۔ ماضی کے خزینے ہوتے ہیں۔ انہیں "آئندہ نسلوں" سے متعارف کروانے کا کوئی نہ کوئی وسیلہ تو ہونا چاہئے۔

اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا کی پرنسز اسٹریٹ کے فٹ پاتھ پر جارج ایلیٹ کا یادگاری بینچ نظر آیا۔ یارک شائر کے چھوٹے کے قصبے ہاورتھ میں شارلٹ اور ا۔ یملی کے والد' انیسویں صدی کے پادری کا گھر برانٹے میوزیم ہے۔ برمنگھم سے 30 میل دور اسٹریٹ فورڈ اپون ایون ولیم شیکسپیئر کا مقام پیدائش ہے۔ یہاں پر رائل شیکسپیئر تھیٹر ہے۔ جہاں دنیا بھر کے سیاح تھیٹر دیکھنے آتے ہیں۔ ہجوم کا یہ عالم ہے کہ یہاں کئی کئی برسوں تک بکنگ نہیں ملتی۔ یہیں پر 23ر اپریل کے لگ بھگ ہر سال قدیم روایات کے مطابق شیکسپیئر کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے مشہور شاعر رابرٹ برنز کی سالگرہ بھی ہر سال جوش و خروش سے منائی جاتی ہے۔ جس موقع پر اسکاٹ لینڈ کی مشہور ڈش ہیگس تیار کی جاتی ہے۔ ہیگس رابرٹ برنز کے بچپن کی غربت کی علامت ہے۔ جب اس کے گھر کئی کئی روز تک گوشت نہیں پکتا تھا۔

ایک بار لندن میں میں نے ایک معلوماتی ڈیسک سے ڈکنز میوزیم کا پتہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے پوچھا کون سا ڈکنز میوزیم؟ کیوں کہ لندن میں ایک نہیں کئی ڈکنز میوزیم ہیں۔ ڈوٹی اسٹریٹ پر واقع ڈکنز میوزیم ادب کے طلبا کے لئے ایک معقول تحقیقی ادارہ ہے۔ اس میوزیم میں ڈکنز کے ذاتی استعمال کا تمام گھریلو سامان' ان کی رائٹنگ ٹیبل اور کرسی' سبھی موجود ہیں۔ اسی طرح اسٹریٹ فورڈ میں واقع ولیم شیکسپیئر کے گھر کے برتن' جھولا اور لکڑی کا وہ ڈیسک بھی محفوظ کر لیا گیا ہے جس پر بیٹھ کر کم سن ولیم اسکول کا کام کرتا تھا۔

پیرس سے تیس میل کے فاصلے پر زرعی گاؤں اودو منعیے عواز کا ایک چھوٹا سا کیفے ہے جہاں کسان اور مزدور اپنی شامیں گزارتے تھے وہ اب "وین گاف ان" ہے۔ یہی وہ کیفے ہے جس کی پہلی منزل پر واقع کمرے میں وین گاف نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے تھے۔ اسی گاؤں کے مکئی کے کھیتوں اور گرجے کی تصویریں بنائی تھیں۔ اب اس کیفے میں تصاویر کی نمائشیں ہوتی ہیں۔ وین گاف کے کمرے میں اٹھارویں صدی کا کیلنڈر جوں کا توں آویزاں ہے۔

ہم نے کیا کیا۔!!

لوگ پوچھتے ہیں چغتائی کہاں رہتے تھے۔ ان کی تصویریں کہاں ملتی ہیں۔ ابن انشاء' ابراہیم جلیس کی یادگاریں کہاں ہیں۔ امانت علی کے ادارہ کلاسیکی موسیقی کا پتہ کیا ہے۔ استاد اللہ بخش کہاں پیدا ہوئے۔ احمد پرویز میوزیم کس شہر میں ہے۔ سبط حسن آڈیٹوریم کہاں ہے۔

کیا کسی کے پاس اس کا جواب ہے؟

ہاں ہم نے فیض فاؤنڈیشن ضرور بنائی۔ لاہور میں شاکر علی میوزیم ہے اور کراچی میں صادقین گیلری بھی۔ فیض فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام سال میں ایک آدھ بار محفل موسیقی یا کبھی میموریل لکچر۔ فیض کی پذیرائی کے لئے کافی ہے کیا۔!! شاکر علی نے جو اپنی معاشی بدحالی کے باوجود بھٹے کی ناکارہ اور سستی اینٹوں سے جو اپنا گھر بنایا تھا اسے میوزیم بنا دیا گیا۔ اس لئے کہ وہ بے اولاد تھے۔ ان کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ کراچی میں فریئر ہال کو صادقین گیلری بنا دینا مجبوری تھی کہ صادقین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہال کی چھت پر جو خطاطی کی تھی اسے وہاں سے ہٹانا ممکن نہ تھا۔ ورنہ اسلام آباد میں جس مکان کے در و دیوار پر صادقین نے خطاطی کی تھی اور اسے صادقین میوزیم کا نام دے دیا گیا تھا اسے بکنے سے کوئی نہ روک سکا کہ ان کی تصاویر کو وہاں سے ہٹانا آسان تھا۔

صادقین نے کبھی شادی نہیں کی۔ ان کے بھتیجے' بھتیجیاں ہی ان کے لئے اولاد کی طرح عزیز تھے۔ انہیں بھی اپنے چچا سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے اس محبت کا حق چکا دیا ہے۔ یہ ان کا فرض تھا کہ وہ ان کے نام اور فن کو زندہ رکھنے کے لئے صادقین اکادمی بنا دیتے۔ شاباش' سبحان اللہ

جالب کے وارثوں نے بھی جالب کے فن کو زندہ رکھنے کے لئے ایک تنظیم بنائی ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں اتنی محنت کی ہے کہ عنقریب جالب کمپلیکس تعمیر ہونے والا ہے۔ جالب کے انتقال کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف حسب عادت ایک بھاری بھرکم چیک لے کر ان کی رہائش گاہ پر گئے تو جالب کی بیوہ نے وہ چیک انہیں لوٹا دیا۔ یہ سن کر اس عظیم خاتون کے لئے دل سے آفرین' کی آواز آتی تھی۔ لیکن پھر کیا ہوا کہ اب جالب کے وارث گلی گلی نگر نگر مستحقین میں انعامات بانٹتے پھرتے ہیں۔ ان میں جہانگیر بدر' آفتاب احمد شیرپاؤ جیسے نام آتے ہیں۔

اور صادقین کے وارثوں نے صادقین شادی ہال بنا دیا۔

ارے یار' تم لوگوں نے واقعی کمال کیا ہے۔ وہ شخص اگر اپنے کرتے پاجامے کو سو بار بھی لانڈری سے دھلواتا تو وہ ان میز پوشوں

باقی صفحہ 18 پر

کیا لیاری ندی کے بچاؤ کی کوئی امید ہے

لیاری ندی کی آلودگی سے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں شہری کی خصوصی رپورٹ

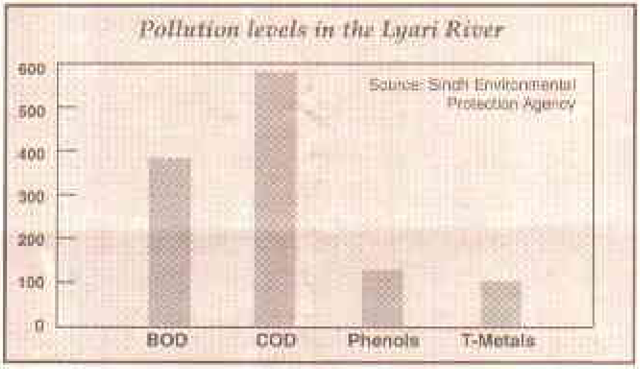

لیاری ندی شہر کے شمالی اور مغربی حصوں کے سیوریج (جہاں شہر کی تقریباً ۶۰ فیصد آبادی رہتی ہے) اور سائٹ کے علاقے کے صنعتی فضلے پر مشتمل انتہائی زہر آلودہ ملغوبہ منوڑہ چینل میں انڈیلتی رہتی ہے۔ منوڑہ چینل لیاری ندی کے دہانے پر واقع ہے اور بندرگاہ کا کام دیتا ہے اس کے علاوہ اس میں مشرقی اور مغربی بیک واٹرز کے وسیع علاقے مثلاً چینا کریک اور بوٹ بیسن وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ لیاری ندی کے پانی میں آلودگی کا ۸۰ فیصد سائٹ کے علاقے کے صنعتی فضلے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

لیاری ندی کے پانی میں شامل ٹھوس مواد، بندرگاہ کے علاقے میں مٹی اور کیچڑ جمع ہو جانے کا ایک بڑا سبب ہے جس کی وجہ سے بندرگاہ کی سرگرمیوں میں خلل پڑتا ہے اور جمع شدہ مٹی اور کیچڑ کو مسلسل نکالتے رہنا پڑتا ہے۔ گردونواح کا حیاتیاتی نظام مثلاً دلدلی جنگلات اور ان پر پلنے والی بحری حیات بری طرح متاثر ہوتی ہے جس کا سبب بلاٹریٹ منٹ میونسپل اور صنعتی فضلہ سمندر میں بہا دینا ہے۔ تفریحی سرگرمیاں بھی اب خطرناک ہوتی جا رہی ہیں کیونکہ اب بحری آلودگی کے اثرات سمندری ساحلوں پر بھی محسوس کئے جانے لگے ہیں۔

بحری آلودگی کے مسئلے سے قطع نظر لیاری ندی کے ساتھ ساتھ آباد نشیبی بستیوں میں صحت اور صفائی کے سنگین مسائل پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ ان بستیوں کے باسی اپنی روزمرہ گھریلو ضروریات کے لئے لیاری ندی کا آلودہ پانی استعمال کر لیتے ہیں۔

ایک بڑا منصوبہ جس کا مقصد لیاری ندی میں گھریلو سیوریج کی آلودگی کو کم کرنا ہے، لیاری ندی کے بیڈ میں ٹرنک سیور بچھانے کا منصوبہ ہے۔ (کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے اس منصوبے کا ۷۵ فیصد کام مکمل کر لیا ہے) بعدازاں اسے ماری پوری پر زیر تعمیر سیوریج ٹریٹ منٹ پلانٹ سے ملا دیا جائے گا۔ یہ ٹرنک سیور شہر کے گھریلو سیوریج کو جمع کرے گا جو اس وقت لیاری ندی میں بہا دیا جاتا ہے۔

تاہم صنعتی محاذ پر ابھی تک کوئی کارروائی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ حالانکہ آلودگی پر اس کا اثر کہیں زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ سائٹ کی انتظامیہ کے پاس اتنے مطلوبہ مالی وسائل نہیں ہیں کہ وہ کوئی بڑا آلودگی پر کنٹرول کا منصوبہ شروع کر سکے۔ لہٰذا اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ صنعتی ادارے خود ایسے فوری اقدامات کریں کہ ان سے خارج ہونے والے صنعتی فضلے کا مناسب ٹریٹ منٹ کیا جائے اور اس کے بعد ہی اسے لیاری ندی میں بہایا جائے۔

لیاری ندی کے کنارے آبادیاں

انٹرویو : ش۔ فرخ

کراچی میں شور کی آلودگی کے اسباب

شور کی آلودگی کے خلاف ادارہ تحفظ ماحول نے کئی اقدامات کئے کچھ عرصے قبل ادارے کی جانب سے باقاعدہ مہم چلائی گئی لیکن خاطرخواہ نتائج اخذ نہ ہوئے

آخر یہ منصوبہ کیوں ناکام ہوا؟

اس ضمن میں ای پی اے سندھ کی ڈائریکٹر جنرل مہتاب راشدی سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔

"ادارہ تحفظ ماحول کا کام مشورہ دینا اور رہنمائی کرنا ہے۔ اس پر عمل در آمد کی ذمہ داری مقامی انتظامیہ اور متعلقہ اداروں کی ہے۔ ہم نے جب شور کی آلودگی کی خلاف مہم چلائی اور اس بارے میں ان سب سے میٹنگز کیں اور انہوں نے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ پھر عملاً" رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ ہمارے ساتھ کچھ این جی اوز بھی اس مہم میں شامل تھیں۔ نتیجتاً" ۲۰۔۲۵ ٹیمیں بنادی گئیں تاکہ وہ شور کی آلودگی کے سدباب کے لئے ای پی اے کے ساتھ مل کر کام کریں۔ اس دوران ہم نے پولیس سے چالان کے اختیارات بھی لے لئے تھے۔ بہت سی گاڑیوں سے پریشر ہارن نکلوا دیئے۔ مگر شور کی آلودگی میں ۸۰ فیصد ذمہ داری رکشاؤں پر عائید ہوتی ہے۔ بلکہ سب سے پہلے تو یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ پیٹرول میں ملاوٹ کے سدباب کے لئے اقدامات کرے۔ پھر اس ملاوٹ شدہ پیٹرول میں مقررہ مقدار سے زیادہ موبل آئل ڈال دیا جائے گا تو پھر رکشا میں سے دھواں تو نکلے گا۔ درحقیقت رکشہ میں دو فیصد موبل آئل ڈالنا چاہئے۔ جبکہ عام طور پر بیس فیصد موبل آئل ملا دیا جاتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ رکشے کا سائلنسر نکال دیا جاتا ہے اس طرح وہ دھواں بھی دیتا ہے اور شور بھی مچاتا ہے"۔

سائلنسر کے بغیر رکشہ کو فٹ نس سرٹیفکیٹ کیسے مل جاتا ہے؟

"اس وقت کراچی میں کرائے پر سائلنسر دینا ایک اچھا خاصا کاروبار ہے۔ رکشہ میں کرائے کا سائلنسر لگوایا' فٹ نس سرٹیفکیٹ لیا اور دو گھنٹے بعد سائلنسر واپس کردیا۔ بلکہ کچھ ایسے واقعات بھی مشاہدے میں آئے ہیں کہ رکشہ میں بھٹے ٹھونس لئے جاتے ہیں۔ اس سے انجن کی آواز کم ہو جاتی ہے۔ چیکنگ کے بعد بھٹے نکال دیتے ہیں یہ کام ٹریفک پولیس کا ہے کہ وہ اس کی چیکنگ کرے"۔

لاہور اور کوئٹہ کے رکشہ شور بھی نہیں مچاتے اور دھواں بھی کم چھوڑتے ہیں۔ اگر کوئی قاعدہ قانون ان شہروں میں کام کر رہا ہے تو پھر کراچی میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

"ایک بات تو یہ کہ وہ چھوٹے شہر ہیں۔ فاصلے کم ہیں۔ رکشہ کا انجن وہی دو اسٹروک کا ہے جو و۔سپا اسکوٹر کا ہے۔ اس پر بڑی باڈی لگادی گئی۔ اب ایک رکشہ ناظم آباد سے صدر تک آئے گا تو چھوٹے انجن کی ٹوٹ پھوٹ تو ہوگی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ رکشاؤں کو یا تو انجن تبدیل کرکے ۴ اسٹروک کا انجن لگایا جائے۔ موجودہ رکشاؤں کو چھوٹے شہروں میں بھیجیں اور ان کی بجائے چھوٹی ٹیکسیاں چلائی جائیں۔

"شور کی آلودگی کے خلاف مہم" پر منعقد ہونے والی تقریب میں یہ ذکر آیا تھا کہ جب بھی "شور یا دھوئیں" کی بات آتی ہے تو افتاد رکشہ والوں پر ہی پڑتی ہے۔ ان کا روزگار بھلا کیوں بند کیا جائے؟

"ٹھیک ہے۔ یہ ان کے روزگار کا مسئلہ ہے۔ پھر یہ ایک سستی سواری ہے۔ اکثر خواتین ٹیکسی کے بجائے رکشہ میں سفر کرتے ہوئے زیادہ محفوظ محسوس کرتی ہیں مگر رکشاؤں کے موجودہ انجن تبدیل کرنا ناگزیر ہے۔ اس انجن کے ساتھ تو ماحول آلودہ ضرور رہو گا"۔

مگر شہری ماحول کو خراب کرنے والے اور بھی بہت سے اسباب ہیں؟

ہم نے کالی تھیلیوں پر پابندی لگائی۔ اور......

قطع کلامی معاف۔ پلاسٹک کی تھیلیاں تو اب بھی سڑکوں کے کنارے پڑی دکھائی دیتی ہیں!

"یہ کام بلدیہ کا ہے۔ تھیلیوں کے ساتھ اور بھی کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ بلدیہ اگر اس کوڑے کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائے تو یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

صرف کالی تھیلیوں پر ہی پابندی کیوں؟

"پلاسٹک کی تھیلیاں بنانے کے لئے بہت سا استعمال شدہ مواد ری سائیکل کیا جاتا ہے۔ مگر کالی تھیلیوں میں گندگی کو ملا کر سیاہ رنگ ڈال دیا جاتا تھا۔ ان تھیلیوں میں کھانے پینے کی چیزیں' خصوصاً" گرم کھانا ڈالنا مضر صحت عمل تھا۔

"دراصل بہت سے منصوبے اس لئے ناکام ہو جاتے ہیں کہ ان کی تکمیل یا عمل در آمد کے لئے مناسب طور پر تیاری نہیں ہوتی۔ اب جبکہ این ای کیو ایس نافذ کردیا گیا ہے مگر ہمارے پاس لیبارٹریاں نہیں ہیں کہ صنعتی اخراج کی مناسب جانچ پڑتال کرسکیں۔ قانون کے اطلاق کے لئے مناسب میکانزم اور خلوص نیت کے علاوہ بد عنوانی کی روک تھام ضروری ہے۔ این ای کیو ایس تو اب آیا۔ ماحولیاتی ایکٹ ۹۶ کی منظوری بھی اب ہوئی لیکن پہلے سے فیکٹریوں کے قوانین موجود تھے۔ جن میں فیکٹری مزدوروں کی صحت اور دیگر امور کے بارے میں قواعد و ضوابط موجود ہیں لیکن عموماً" ہوتا یہ ہے کہ ہر ماہ ہیلتھ انسپکٹر آتا ہے اور اپنا بھتہ لے کر چلا جاتا ہے"۔

تو کیا یہ ذمہ داری ای پی اے کی نہیں کہ ان امور کی چیکنگ کرے؟

"ای پی اے کی کارکردگی خاطرخواہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں ابھی تک ماحولیات کی باقاعدہ وزارت نہیں ہے۔ جیسے ای پی اے سندھ پہلے ہاؤسنگ اور پلاننگ کے تحت کام کرتی تھی۔ اب اسے محکمہ جنگلات کے ساتھ منسلک کردیا گیا۔ جبکہ سندھ کے وزیراعلیٰ اس کے انچارج ہیں۔ اگر الگ سے وزارت قائم کردی جائے تو بہت سے توجہ طلب امور پر بہتر طور پر کام کیا جاسکتا ہے نیز یہ کہ محکمے کے سربراہ کو فیصلے کا اختیار ہونا چاہئے۔

محکمہ جاتی مشکلات کے بارے میں مہتاب راشدی نے کہا کہ قانون پر عمل در آمد کے لئے لیبارٹری کے علاوہ شور اور فضائی آلودگی کی جانچ کے آلات اور اسٹاف کی ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ عوام میں ہر سطح پر ماحولیات کے بارے میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سسٹم بنانے کی ضرورت ہے۔ بہرحال ہم اس کوشش میں ہیں کہ میڈیا' ورکشاپس اور سیمینارز کے ذریعے ماحولیاتی شعور کو فروغ دیا جائے۔ اس ضمن میں ہمیں آئی یو سی این کے ماہرین کا تعاون بھی حاصل ہے۔

شہری کی سرگرمیاں

قانونی شعبہ

قاضی فائز عیسیٰ' امبر علی بھائی' رولینڈ ڈسوزا'

خطیب احمد' وکٹوریہ ڈسوزا

شہری برائے بہتر ماحول کا نام اب سرکاری اداروں میں مقبول و معروف ہو چکا ہے۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) کے ایم سی کے نئے سیٹ اپ میں جن نئے افسران کی تقرری ہوئی ہے انہیں شہری کے تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اب ناجائز تعمیراتی سرگرمیوں کے انسداد کے سلسلے میں کے بی سی اے سے رابطہ کرنا اور اس کی امداد حاصل کرنا زیادہ آسان ہوگیا ہے' یہ تبدیلیاں جون ۱۹۹۶ء میں رونما ہوئی ہیں ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے اور کنٹرولر بلڈنگز کے بی سی اے کے ساتھ ۱۱ جون ۱۹۹۶ء کو ہونے والی میٹنگ میں شہری برائے بہتر ماحول نے کے بی سی اے کو مبارک باد دی کہ اس نے شہر میں بیشتر غیر قانونی تعمیرات کو روک دیا ہے۔

اس میٹنگ میں جو دوسرے فیصلے کئے گئے وہ یہ تھے۔

الف) کے ڈی اے اور کے بی سی اے اور شہری سی بی ای نے اس بات سے اتفاق کیا کہ وہ اپنا تعاون جاری رکھیں گے جس کے نتیجے میں گزشتہ سال کے دوران کراچی میں ناجائز اور غیر قانونی تعمیرات کرنے والے بلڈرز کو خاصی پسپائی اٹھانی پڑی۔

ب) تجویز کیا گیا کہ ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے اور چیف کنٹرولر آف بلڈنگ سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے ملاقات کریں گے اور انہیں آگاہ کریں گے کہ عدالتوں کی جانب سے صورت حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کے احکامات کی آڑ لے کر کس طرح بڑے پیمانے پر غیر قانونی تعمیرات کی جارہی ہیں۔

ج) این جی او نے ان اقدامات کو بھی سراہا جو کے بی سی نے حال ہی میں غیر قانونی تعمیرات کی روک تھام کے لئے شروع کیئے ہیں جن میں فیلڈ بکس کی باقاعدہ دیکھ بھال بلمنتھ سرٹیفکیٹ کی توثیق' عوام کے لئے منظور شدہ بلڈنگ پلان کی نقول اور منصوبے کے بارے میں معلومات کا آسانی سے حصول پبلک انفارمیشن کاؤنٹرز کھولنا باقاعدگی کے ساتھ روز ناموں میں پبلک کی اشاعت ناجائز تعمیرات کی فہرست کے ساتھ اور شہریوں کے گروپ کی حمایت کے لئے ان کے ساتھ باقاعدگی سے میٹنگ کرنا۔

د) اس امر پر اتفاق رائے ہوا کہ ناجائز تعمیرات کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے کے بی سی اے کے کام میں ٹرانسپرنسی بڑھانا ضروری ہے کیونکہ اس پھیلاؤ سے شہری ماحول اور بنیادی خدمات میں انحطاط آرہا ہے۔

۸ر اپریل کو کمشنر کے دفتر میں کراچی' شہری برائے بہتر ماحول اور گارڈن ایسٹ بلڈرز فورم کے درمیان ہونے والی میٹنگ کی تفصیلات

کمشنر کراچی نے بلڈرز' ریذیڈنٹس' شہری سی بی ای اور انتظامیہ کے درمیان بالمشافہ گفتگو کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ اسی مسئلے کو حل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ غیر قانونی تعمیرات کے مسئلے کے سلسلے میں یہی طریقہ اپنانا چاہیں گے۔

شہری برائے بہتر ماحول کی مسز امبر علی بھائی کا خیال تھا کہ کاغذی کارروائی کا طریق کار درست کیا جائے' ہر عمارت قانون کی حدود میں رہتے ہوئے تعمیر کی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر کسی رہائشی عمارت کو کمرشل بنانا ہو تو اس کے بارے میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ معلوم کی جائے۔ یہ تجویز کیا گیا کہ شہریوں' شہری برائے بہتر ماحول اور انتظامیہ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو کے بی سی اے کے انسپکٹروں کو فاؤل پلے سے روک سکے۔

شہری برائے بہتر ماحول نے بلڈرز کو یقین دہانی کرائی کہ وہ بلڈرز کی جائز اور قانونی کمائی میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے بشرطیکہ انہیں بھی ایک اہم زندگی کے لئے عوام کی ضروریات اور رفاہ عامہ کا خیال ہو۔

کمشنر نے زور دیا کہ کے بی سی اے کے افسران کے منفی رویے کے خلاف مزاحمت کے لئے ایک مضبوط پریشر گروپ قائم کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ بھی دیکھا جائے کہ بلڈر نیک نیتی سے کام لے رہا ہے اور آج ہی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو اپنی تجاویز پیش کرے' اس میں ہر گروپ کے دو تین افراد شامل کئے جائیں۔

شہری برائے بہتر ماحول نے تجویز پیش کی کہ اگر تعمیرات عمودی ہوں تو ایسی صورت میں بنیادی ضروریات مثلاً ہوا' دھوپ' بجلی' گیس' سیوریج' کچرے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام' لازمی کھلی جگہیں اور شہریوں کو بہتر ماحول فراہم کرنے کے لئے پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ ناجائز تعمیرات کی روک تھام کے لئے جو نگراں کمیٹی قائم کی جائے اس میں کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ اور کے ای ایس سی کے نمائندوں کو بھی ارکان کی حیثیت سے شریک کیا جائے۔

واضح رہے کہ شہری برائے بہتر ماحول نے بلڈنگ کنٹرول کے معاملے میں پیش رفت کی ہے اور ایک ایسی حیثیت حاصل کرلی ہے جسے حکومت نے تسلیم کرلیا ہے۔ شہری ترقی اور افزائش سے متعلق تمام میٹنگوں اور سرگرمیوں میں اب شہری برائے بہتر ماحول کو باقاعدگی کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔

سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ایم مامون قاضی کے ساتھ میٹنگ کی تفصیلات

مینجنگ کمیٹی کے ارکان مسز امبر علی بھائی' مسٹر خطیب احمد اور مسٹر رولینڈ ڈی سوزا نے ۲۲ مئی ۹۶ء کو کراچی میں سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا مقصد چیف جسٹس کراچی بھر میں بڑھتی ہوئی غیر قانونی اور ناجائز تعمیرات کے بارے میں آگاہ کرنا تھا جن میں مندرجہ ذیل امور بھی شامل تھے۔

——— کے بی سی اے کے منظور شدہ نقشوں کی کھلم کھلا اور بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں

——— زمین کے استعمال میں غیر قانونی تبدیلیاں (رہائشی کو تجارتی میں تبدیل کرنا)

.... فلاحی پلاٹوں کی ناجائز تبدیلی (پارکوں کو تجارتی پلاٹوں میں تبدیل کرنا)

.... ناجائز اور غیر قانونی ریگولرائزیشن' سیاستدانوں اور نوکر شاہی کی مرضی سے خلاف ورزیوں کو نظرانداز کردینا۔

عدالتوں کا وقار اور اختیار داؤ پر لگا ہوا ہے کیونکہ بلڈرز انہیں غلط طور پر استعمال کررہے ہیں اور ماحول کے تحفظ اور عوام کے حقوق کی حفاظت کے سلسلے میں عدالتوں کی اہلیت کے بارے میں عوام کا اعتماد کم ہوتا جارہا ہے۔ ان میں سے بیشتر مقدمات صرف حکام اور بلڈرز کا معاملہ نہیں بلکہ یہ پبلک انٹرسٹ کے مقدمات کی ذیل میں آتے ہیں۔

تجاویز

۱) جج کو شعوری طور پر خیال رکھنا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو اپنے حکم میں کسی عبوری حکم سے پہلے اس عمارت کی صحیح کیفیت درج کرنی چاہئے۔

۲) عبوری حکم میں Status-Quo لکھنے کے بجائے تمام پارٹیوں کے لئے مخصوص ہدایات واضح طور پر درج کی جائیں۔

۳) جہاں تک ممکن ہو عبوری احکامات بلڈرز کے حق میں جاری کئے جائیں' لیکن اس شرط کے ساتھ کہ غیرجانبدار افراد اس عمارت کا معائنہ کریں یا اس کا فوٹوگرافک ثبوت پیش کیا جائے اور انہیں روکا جائے کہ وہ مزید تعمیر نہیں کریں گے اور تھرڈ پارٹی انٹرسٹ پیدا نہیں کریں گے اور عدالت یہ اطمینان کرلے کہ بلڈر کے پاس منظور شدہ پلان موجود ہے۔

۴) ایک اسٹینڈرڈ پروفارما تیار کیا جاسکتا ہے اور اس شخص کو دیا جاسکتا ہے جسے بلڈنگ کے معائنے کی ہدایت کی جائے۔

۵) مقدمات عام طور پر ماتحت عدالتوں میں دائر کئے جاتے ہیں کیونکہ وہاں Status-Quo کے احکامات آسانی سے مل جاتے ہیں اور ان میں تقریباً" مشینی انداز میں وقتاً" فوقتاً" توسیع بھی ہوتی رہتی ہے جبکہ امتناع کی درخواست کی میرٹ پر ساعت بھی نہیں ہوتی۔ عدالتوں کو سب سے پہلے اپنی جیورسڈکشن کا جائزہ لینا چاہئے اور بلڈر اور اس زمین کی مالیت کا بھی اندازہ پیش نظر رکھنا چاہئے جس کا بلڈر تحفظ چاہتا ہے۔

ہمارے خیال میں تو کسی بھی بلڈنگ کی مالیت پانچ لاکھ روپے سے کم نہیں ہے۔

۶) سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۱۹۷۹ء کا تقاضہ ہے کہ کے بی سی اے کے این او سی کے بغیر کوئی بلڈنگ فروخت نہیں کی جاسکتی اور کے بی سی اے کے جاری کردہ قبضے کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی عمارت پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا جب لوگ کسی بلڈنگ یا اس کے کسی حصے پر قابض ہونے یا اس میں دلچسپی رکھنے کا دعویٰ کریں تو ان دفعات کو پیش نظر رکھا جائے۔

۷) بلڈنگز کی تعمیر سے متعلق ایسے تمام مقدمات جن میں ریذیڈنٹس بھی دلچسپی رکھتے ہوں ان کو "شارٹ کاز" معاملے کے طور پر نمٹانے کی ہدایت کی جائے۔

۸) عدالت کے سی بی اے کو ہدایت کرے کہ اگر Status-Quo کی کوئی خلاف ورزی کی جارہی ہو تو وہ فوری طور پر عدالت کو مطلع کرے۔

۹) سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۱۹۷۹ء کے تحت مقدمات کے لئے خصوصی مجسٹریٹ مقرر کئے جائیں۔

۱۰) جب حکم امتناعی کی خلاف ورزی کی جائے تو ایسی صورت میں عدالت جائیداد کی ترقی کے احکامات دے۔

۱۱) ممبر انسپکشن ٹیم کو جاری کئے جانے والے حکم امتناعی اور متعلقہ حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں اور آنریبل چیف جسٹس کو مطلع کرنا چاہئے۔

میٹنگ کے نتائج

چیف جسٹس نے شہری برائے بہتر ماحول کے ارکان کا موقف بڑے تحمل سے سنا اور غیر منظم شہری افزائش اور ناجائز تعمیرات کے خلاف جدوجہد میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

چیف جسٹس نے تجویز پیش کی کہ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک سینئر جج اور ایک انسپکشن ٹیم مقرر کی جائے۔

شہری برائے بہتر ماحول نے چیف جسٹس کو "کراچی کی حکومت میں شہریوں کا کردار" کے موضوع پر ہونے والے سیمینار میں مہمان خصوصی بننے کی دعوت دی۔ یہ سیمینار ستمبر ۱۹۹۶ء میں ہوگا۔ چیف جسٹس جولائی کے خر تک اس سلسلے میں تاریخ اور وقت دیں گے۔

کمشنر کراچی ڈویژن کے ساتھ ۸ جولائی ۱۹۹۶ء کو ہونے والی میٹنگ کی تفصیلات

۸ جولائی ۱۹۹۶ء کو شہری برائے بہتر ماحول کے ارکان کو کمشنر کراچی' ضلعی انتظامیہ' پولیس اور کے بی سی اے کے افسران کی میٹنگ میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا۔ یہ اجلاس اس لئے بلایا گیا تھا کہ شہری اور علاقے کے باشندے گزشتہ سات ماہ سے شکایات کررہے تھے کہ مزار قائداعظم کے قریب جمشید کوارٹرز میں پانچ غیر قانونی عمارات تعمیر کی جارہی ہیں' لیکن کوئی شنوائی نہیں۔

شہری سی بی ای نے وضاحت طلب کی کہ کہ ہائی کورٹ اور ماتحت عدالتوں کے Status-Quo آرڈرز کی بلڈرز کیوں خلاف ورزی کررہے ہیں جس کی وجہ سے انتظامیہ کو شہر میں غیرقانونی تعمیرات کے پھیلاؤ کو روکنے کی اپنی قانونی ذمہ داری کو پورا کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔ کے بی سی اے اور انتظامیہ نے وضاحت کی کہ بیک وقت مختلف عدالتوں کی جانب سے متعدد احکامات نہ صرف مبہم بلکہ متضاد ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے صرف انتظامیہ اپنی قانونی کارروائی سے باز رہتی ہے جبکہ بلڈرز عدالتی احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور تعمیراتی کام جاری رکھتے ہیں۔

کمشنر کراچی نے معذوری ظاہر کی کہ وہ بلڈرز کو خلاف ورزیوں سے نہیں روک سکتے کیونکہ بلڈرز عدالتوں میں مقدمات دائر کردیتے ہیں جن میں انہیں Status-Quo کا پابند بنادیا جاتا ہے۔

یہ میٹنگ مایوسی کے عالم میں ختم ہوئی کیونکہ عدالتیں اس الجھے ہوئے معاملے کو نمٹانے کے قابل نہیں ہیں۔ شہری برائے بہتر ماحول نے اس معاملے میں چیف جسٹس سے مداخلت کی درخواست کی ہے۔

میڈیا اینڈ بیرونی روابط

حمیرا رحمان' حسن جعفری

شہری سی بی ای نے جنوری/مارچ کے مہینوں کے اردو اور سندھی نیوز لیٹرز شائع کئے انگلش نیوز لیٹر جولائی ۱۹۹۶ء میں شائع کیا گیا۔ اپنی معمول کی اشاعتوں کے علاوہ شہری سی بی ای نے "پاور پلانٹس" اور "شجرکاری" کے بارے میں بروشرز شائع کئے۔ ان کا مقصد کراچی کے نواح میں پاور پلانٹس کی تنصیب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی کے خطرات کے بارے میں شعور پیدا کرنا اور عوام کو درختوں کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔

باقی صفحہ 17 پر

ماحولیاتی کلب

بچو! جیسا کہ آپ سب کو علم ہے حال ہی میں بہتر رابطے اور جونیئر شہری کے مختصر اور طویل المیعاد منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے مختلف ماحولیاتی کلبز قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ جونیئر شہری کی اس پیش قدمی کا بہت گرم جوشی سے جواب ملا ہے۔ جونیئر شہری نہ صرف رکن سازی کی مہم چلانے میں کامیاب رہے ہیں بلکہ دو مقامی اسکولوں کے طلباء بھی اس نیک مقصد میں شریک ہوگئے ہیں۔ بچوں کی شراکت سے چند پراجیکٹ سرگرمیاں پہلے ہی شروع کردی گئی ہیں۔ ان تجرباتی سرگرمیوں کے نتائج بہت مثبت اور حوصلہ افزا رہے ہیں۔

بچوں نے صحت سے متعلق ایک انتہائی معلوماتی سروے بہادر آباد فوڈ مارکیٹ میں کیا' جس کے دوران انہیں معلوم ہوا وینڈرز اور دکاندار بعض غذائی اشیاء کتنے غیر صحت مند انداز میں فروخت کرتے ہیں۔ بچے جو اپنے اساتذہ اور شہری کو آرڈی نیٹر کے ہمراہ تھے مارکیٹ میں گھومے اور صحت کے اس اہم مسئلے کے بارے میں انہوں نے براہ راست معلومات حاصل کیں۔ انہیں بتایا گیا کہ کس طرح ایسی خوراک کی اشیاء ان کی صحت کو بری طرح متاثر کرتی ہیں اور ان سے گریز کرنا چاہئے اور کون سی اشیاء کھانا محفوظ ہے۔

ایک اور سرگرمی شجرکاری اور اس کی تربیت کی مہم تھی جو گزشتہ ماہ اوورسیز پاکستانیز بنگلوز' بلاک ۱۶-۱۷ گلستان جوہر میں شروع کی گئی تھی۔ اس مہم کا مقصد بچوں میں درختوں کی اہمیت کے شعور پیدا کرنا تھا ان کے علاوہ شہریوں کو بھی شجرکاری کے صحیح طریقے اور پودوں کی دیکھ بھال کی تربیت دی گئی۔

مختلف دوسرے دلچسپ پراجیکٹ شروع ہونے والے ہیں جن میں صحت اور صفائی کا شعور پیدا کرنے کے پروگرام شجرکاری کی مہمیں سماجی اور ماحولیاتی مسائل پر علمی اور معلوماتی سروے رپورٹس کی تیاری' تھیٹریکل پرفارمنس' پارکوں اور ساحل سمندر کی صفائی مہمیں' پینٹنگز' مضمون نگاری اور تقریری مقابلے وغیرہ' جونیئر صحافی عنقریب اہم شخصیتوں کے انٹرویو لیں گے' تحقیقاتی رپورٹس' فیچرز اور تعارف مرتب کریں گے جو جونیئر شہری کے صفحات پر شائع ہوں گی۔

ان تمام بچوں کے لئے جو ان دلچسپ سرگرمیوں میں شریک ہو کر تفریح کے ساتھ ساتھ کچھ سیکھنا بھی چاہتے ہیں شرکت کا عمدہ موقع ہے۔ ہم ان سب کا خیر مقدم کرتے ہیں جو جونیئر شہری تجربے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

آؤ مل کر سوچیں

گزشتہ کئی برسوں سے جب سے ماحولیات کے مباحثے شروع ہوئے ہیں' یہ دلیل دی جاتی رہی ہے کہ ماحول کو صاف رکھنا ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ ماہرین ماحولیات کا کام ہے۔ لیکن ماحول کی بہتری کا تقاضہ یہ ہے کہ انسانی رویوں میں تبدیلی لائی جائے ان طور طریقوں میں تبدیلی لائی جائے جس طرح ہم رہتے' سوچتے' عمل اور ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم اکثر خود سے یہ سوال کرتے ہیں کہ میں اس کرہ ارض کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟ کیونکہ ایک آدمی کے کچھ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' پھر اس سلسلے میں پریشانی کیوں مول لی جائے؟ لیکن ایک زیادہ مثبت اور تعمیری سوچ یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ ہر وہ فیصلہ جو آپ کرتے ہیں اس سے دنیا تو نہیں بدلے گی لیکن وہ کم از کم آپ میں تو تبدیلی لائے گا اور اگر ہم سب یہی رویہ اپنالیں تو ماحولیاتی بقاء کی جنگ جیتنا بہت زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔ ہم اس جدوجہد میں اس طرح حصہ لے سکتے ہیں۔

☆ درخت لگا کر اور درختوں کی دیکھ بھال کر کے اور یہ کوشش کر کے کہ ہم جتنا پانی بچا سکتے ہیں بچائیں۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں پانی آسانی سے دستیاب ہے' ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاسے مر رہے ہیں۔

☆ شیمپو کا استعمال کم کریں' کیونکہ اس میں نقصان دہ کیمیکلز ہوتے ہیں' نیل پالش اور کاسمیٹکس کا استعمال کم کریں کیونکہ اس سے جلدی امراض پیدا ہوتے ہیں۔

☆ غیر ضروری نقصان دہ شور کی مقدار کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں احساس ہونا چاہئے کہ شور ہماری زندگیوں میں دباؤ پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا چاہئے کہ کیا وجہ ہے کہ جدید دنیا میں لوگ کینسر کا شکار زیادہ ہو رہے ہیں بہ نسبت صنعتی انقلاب سے پہلے کے دور کے؟ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں رہنے والے بڑے شہروں کے لوگوں کے مقابلے میں کیوں زیادہ صحت مند زندگی گزارتے ہیں؟ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے ماحول سے لاتعلقی کا رویہ ترک کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ شراکت اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوئے ایک بھرپور اور صحت مند زندگی بسر کرنا شروع کریں۔

ثمن افتخار - ہلے ہاؤس گرلز سیکنڈری اسکول

غیر سرکاری تنظیمیں

پاکستان کمیونٹی ڈویلپمنٹ سینٹر

سرحد کے دیہی معاشروں میں سماجی ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے میں مصروف ہے

پاکستان کیمونٹی ڈویلپمنٹ پروجیکٹ (پاک سی ڈی پی) صوبہ سرحد کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی آبادیوں کی بنیادی طبی ضروریات پوری کرنے کے لئے تشکیل دیا گیا ہے، تاکہ ان کے ساتھ مل کر حفظان صحت کی ضروریات کے بارے میں معلومات اور وسائل فراہم کرسکے۔ چونکہ پاک۔ سی ڈی پی، آسٹریا کی ریلیف کمیٹی کے بنیادی صحت اور صفائی کے شعبے سے وابستہ ہے، اس لئے اس کا بیشتر

پاک سی ڈی پی کی کاوشوں سے ایک اور ہینڈ پمپ کی تنصیب

عملہ صحت و صفائی اور نکاسی و فراہمی آب کے امور میں سال ہا سال کا تجربہ رکھتا ہے۔ 6جنوری 1993ء کو رجسٹریشن حاصل کرنے والی یہ تنظیم 80فیصد خود انحصاری اور 20فیصد بیرونی معاونت پر یقین رکھتی ہے اور نکاسی آب کے علاوہ صحت و صفائی کے کم لاگت منصوبوں کے لئے طویل عرصے سے مفید تعاون کررہی ہے۔ اس مقصد کے لئے عوام کو حفظان صحت کی اہمیت اور حالات کے مطابق موثر تدابیر اختیار کرنے کے بارے میں بنیادی نکات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

پاک سی ڈی پی پشاور کے گردونواح میں پانچ فیلڈ ٹیموں کے ہمراہ کام کررہی ہے تاکہ زیر ہدف آبادی کو صحت مند رہنے کے بارے میں مفید معلومات اور محفوظ زندگی گزارنے کی عملی تربیت دی جاسکے۔ یہ تربیت یافتہ افراد پھر اپنے علاقوں اور آبادیوں میں جاکر دیگر افراد کو حفظان صحت کے اصولوں سے روشناس کراتے ہیں۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے سماجی تنظیموں کو ترجیح دی جاتی ہے، تاہم خواتین ہیلتھ ورکرز، راج مزدور، اسکولوں کے اساتذہ، سینیٹری کی دکانوں کے مالکان، کنکریٹ کے کارخانوں کے مالکان اور فعال و متحرک خواتین بھی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ اب تک اس پروگرام کے تحت درج ذیل کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں۔

○ چار ہزار بیت الخلاء کی تعمیر جس کے بیشتر اخراجات مقامی آبادی نے برداشت کئے۔

○ تیس ہینڈ پمپس کی تنصیب، جن کی دیکھ بھال اور دیگر سازو سامان کے اخراجات مقامی افراد نے اٹھائے۔

○ پچاس خواتین طبی کارکنان کی تربیت اور بعدازاں میدان عمل میں خدمت، جس کے اخراجات مقامی آبادیوں نے ادا کئے۔

○ تقریباً تیس اسکولوں میں بیت الخلاء کی تعمیر اور طبی پروگراموں میں معاونت۔

○ کیمونٹی کی بنیاد پر پانچ خواتین ہیلتھ / لٹریسی ٹیچرز کی تربیت، جن کے اخراجات مقامی آبادی نے برداشت کئے

○ پچیس راج مزدور، پانچ کنکریٹ بنانے والے کارخانوں کے مالکان اور پانچ خوردہ فروشوں کی تیاری۔

○ دس رضاکار تنظیموں کی تربیت اور ترویج تاکہ متعلقہ آبادیوں کی ترقی ممکن ہوسکے۔

پاک سی ڈی پی کے بنیادی اغراض و مقاصد میں سماجی ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے کے لئے دیہی معاشروں میں طبی منصوبوں کا آغاز اور تکمیل، اس عمل میں پانی کی بہتر فراہمی، گند آب کی محفوظ نکاسی، طبی تعلیم تک رسائی، ترقی کے لئے علاقائی، سماجی تنظیموں کا فروغ اور دیہی خواتین کو حقوق کی فراہمی شامل ہیں۔

صحت عامہ میں دلچسپی رکھنے والی تنظیموں اور سماجی گروہوں کو تعلیم، تربیت، رہنمائی اور امداد کی فراہمی۔

مختلف گروپوں کو طاقت ور بنانے کے لئے قابل عمل منصوبے، تعلیمی پروگرام اور موثر حکمت عملیوں پر تحقیق تاکہ صحت کے شعبے کو مضبوط بنایا جاسکے۔

پاک سی ڈی پی کو 1995ء سے سی آر ایس، سوئس انٹر کوآپریشن، یونیسیف، نووب، ٹورسٹ فار والنٹیئری آرگنائزیشن، واٹر ایڈ اور آکسفیم سے مالی اعانت مل رہی ہے۔

پاک سی ڈی پی کا عملہ 42افراد پر مشتمل ہے جن میں گیارہ مرد اور پندرہ خواتین سماجی ترقی کے مختلف منصوبوں کی تکمیل میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ شخصی نشوونما اور صنفی مسائل پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

صوبے کے دور دراز اور دشوار گزار علاقوں تک رسائی کے لئے تنظیم کے پاس سات گاڑیاں ہیں ان میں سے ایک پاک سی ڈی پی کی ملکیت ہے، جبکہ ایک یونیسیف کی جانب سے دی گئی ہے، بقیہ پانچ اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن برائے مہاجرین سے قرض لے کر حاصل کی گئی ہیں۔

پاک سی ڈی پی درہ آدم خیل (کوہاٹ، سرحدی علاقہ)، سوری زئی (ضلع پشاور) عقیل تخت بھائی (ضلع مردان)، بڈبیر، اور سید بند (ضلع پشاور) میں کام کررہی ہے۔ تنظیم اپنی خواتین رضاکاروں کے ذریعے دیہاتوں میں خاندانی منصوبہ بندی، محفوظ زچگی اور قبل از یا مابعد پیدائش بچے کی نگہداشت کی تربیت بھی فراہم کرتی ہے۔

بہ شکریہ: سہ ماہی اخبار

مقامی بلدیاتی عملے کو ہینڈ پمپ کی دیکھ بھال کی تربیت دی جارہی ہے

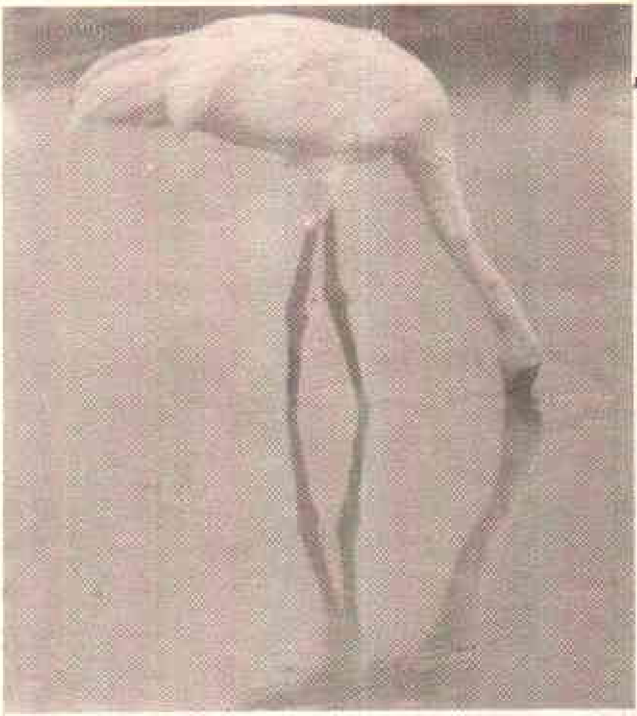

شمالی پرندوں کے بے رحم میزبان

پرندوں کے عاشق اور شکاری اکیا علی شاہ کو خدشہ ہے کہ شمالی علاقوں سے ہجرت کرنے والے پرندوں کے ساتھ بد سلوکی' ضرورت سے زیادہ شکار اور جال ڈالنا اور ان کی قدرتی پناہ گاہوں کی طرف بے توجہی کی بنا پر پاکستان میں ان کی آمد کو روک سکتی ہے

جن لوگوں نے سرد علاقوں سے آنے والی پرندوں کو دیکھا ہے وہی ان پرندوں کی خوبصورتی اور دلکشی کو جانتے ہیں۔ موسم سرما کے شروع ہوتے ہی گرم علاقے کے لوگ دی شکل میں سائبیریا سے آنے والے پرندوں کا نظارہ کرکے محظوظ ہوتے ہیں۔

بطخوں' راج ہنس' عقاب' بھورے تغدار' سارس' مرغابیوں وغیرہ پر مشتمل متعدد اقسام کے پرندوں کی سرد علاقوں سے آمد کے باعث ہم ہر سال قدرت کے خوبصورت مناظر اور شاہکاروں سے روشناس ہوتے ہیں۔

تاہم جس طرح ہم ان پرندوں (ہجرت کرکے آنے والے) کے ساتھ سلوک کرتے ہیں وہ دن بدن ان کی آمد کو کم سے کم کر رہا ہے۔ شکاری انہیں ہلاک کرتے ہیں تو کچھ جال بچھا کر پکڑ لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ پناہ گاہیں (SANCTURIES) بھی اس عمل سے محفوظ نہیں ہیں حالانکہ وہاں شکار کرنے پر پابندی عائد ہے۔

شوٹنگ سے ہلاکت تو خطرناک ہے تاہم اس سے زیادہ خطرناک جال بچھا کر ان پرندوں کو پکڑنا ہے۔ دادو' ٹھٹھہ' بدین میں ایسے خوبصورت پرندوں کو پکڑنے کے بعد ان کے پر کاٹ کر اور ٹانگیں توڑ کر یا باندھ کر مرغیوں' سبزیوں کی طرح دوکانوں پر فروخت کے لئے سجایا جاتا ہے اور یہ ایک افسوسناک منظر ہوتا ہے۔

جنگلی حیات کا محکمہ اور شکار کے نگران عموماً" ایسے پرندوں کے تحفظ کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ ایسے پرندوں کی ہلاکت فائرنگ کے ذریعے یا پھر جال کے ذریعے پکڑنا۔ دونوں نہ صرف ان کے سامنے ہوتا ہے بلکہ ان کی حمایت سے ہی ممکن ہوتا ہے اور شکار کے قوانین کے تحت بہت کم لوگوں کو سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ اس محکمہ کے وجود کو برقرار رکھنے کا جواز پیدا کیا جاسکے۔

شکار کے قوانین موجود ہیں' حالانکہ وہ ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتے لیکن اگر ان پر بھی مکمل عمل کیا جائے تو کچھ نہ کچھ اچھے نتائج نکل سکتے ہیں مگر یہ بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس گیم وارڈن سے گٹھ جوڑ کے بعد سب کے لئے میدان کھلا رہتا ہے۔

حکومت کی جانب سے ایسے عمل کی حوصلہ شکنی کے لئے سخت قوانین بنانے کی ضرورت ہے جن میں بالخصوص ایک دن میں پرندوں کے مقررہ تعداد کا شکار اور غیر قانونی شکار پر پابندی شامل ہو۔

ایسے تمام قوانین کو میڈیا کے ذریعے مشتہر کیا جانا چاہئے ایسے پرندوں کی ہلاکت' یا جھیلوں اور دیگر مقامات پر جال کے ذریعے پکڑنے کے ظالمانہ طریقہ کی قلبندی کرنے والوں پر بڑے جرمانے عائد کرنے اور بلا تفریق کارروائی کی ضرورت ہے نیز وائلڈ لائف اور گیم ڈپارٹمنٹ کی جانب سے عوام میں شعور پیدا کرنے کے لئے بھرپور مہم چلائی جائے۔

یہ ان تمام لوگوں پرندوں سے محبت کرنے والے' ان کا خیال رکھنے والے حتیٰ کہ پرندوں کا شکار کرنے والوں کے مفاد میں بھی ہے کہ ان پرندوں میں اضافہ ہو۔ شکاریوں کو امریکا کی (DUCK UNLIMITED) کی طرز پر تنظیم بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ تنظیم آبی علاقے حاصل کرکے وہاں پرندوں کے لئے سینکچوریز قائم کرتی ہے۔

یہ تمام شکاریوں سے ایک اپیل بھی ہے کیونکہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔

(اکیا علی شاہ) **

بقیہ ⇦ شہری کی سرگرمیاں

چڑیا گھر میں کھاد بنانے کا یونٹ

مسٹر اینڈ مسز خطیب احمد

☆ پی سی ایس آئی آر کے سائنس دانوں نے چڑیا گھر کے کچرا گھر کا معائنہ کیا اور پتوں اور جانوروں کی مینگنیوں کے تین تھیلے بطور نمونہ لئے جن کی لیبارٹریز میں ٹیسٹنگ ہوگی۔

☆ اس بات پر اتفاق ہوا کہ چڑیا گھر کھاد بنانے کے پلانٹ کے لئے جگہ فراہم کرے گا۔

☆ اس بات پر اتفاق ہوا کہ چڑیا گھر میں تین مقامات سے حاصل کی جانے والی کیچڑ کا پی سی ایس آئی آر معائنہ اور ٹیسٹ کرے گا تاکہ یہ طے کیا جاسکے کہ آیا اسے براہ راست لانز یا درختوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

☆ کے ایم سی کے مشیر ڈاکٹر اے اے قریشی نے اس تجویز کی حمایت کی کہ بچوں کو پودوں اور درختوں کی مختلف اقسام سے آگاہ کیا جائے۔ انہوں نے کلفٹن میں مچھلی گھر کے سامنے شجرکاری کے سلسلے میں شہری سے مدد مانگی۔ جس پر شہری نے اس منصوبے کی تفصیلات اور اس کی لاگت کا تخمینہ مانگا اور اس منصوبے میں مدد کرنے کی پیشکش کی ڈائریکٹرز نے وعدہ کیا کہ وہ پلان اور اس کی لاگت کا تخمینہ فراہم کریں گے۔

*

بقیہ ⇦ صادقہ صلاح الدین

کاشت کار غریب رحم کی اپیل کرتے ہیں اور اکثر نوکر شاہی کے یہ نمائندے کچھ ہزار کی رعایت کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً کاشت کار شکر گزار بھی ہوتا ہے اور رسید بھی نہیں مانگتا اور اگر رسید دی بھی جاتی ہے تو اس پر کسی قسم کی تفصیل درج نہیں ہوتی۔

آپ کو ایسی ان گنت مثالیں ملیں گی جہاں کاشت کار فراہمی آب کا ٹیکس دیتے ہیں اور وہاں فراہمی آب کے لئے ٹیوب ویل یا تو ہیں نہیں یا ان کی مشین چوری ہو چکی ہے۔ ایسی زمینوں کا آبیانہ دیا جارہا ہے جہاں پیداوار ممکن ہی نہیں۔ جو مدتوں سے سیم و تھور کا شکار ہیں اور جن پر کئی کئی فٹ پانی تمام سال کھڑا رہتا ہے۔ ایسی زمینوں کے مالکان بھی ڈھل دیتے ہیں جن کی زمین تک ایک بوند پانی نہیں پہنچتا کیونکہ راستے کے بڑے زمیندار غیر قانونی طور پر نہر کا پانی لے کر چاول اور کیلے کی کاشت کرتے ہیں۔ نہروں کی صفائی کے لئے سنا ہے ہر سال کروڑوں کا بجٹ دیا جاتا ہے لیکن وہ صفائی کس وقت ہوتی ہے کسی کو معلوم نہیں۔

گرمی کی شدت میں یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ گاؤں میں پورے پورے مہینے بجلی نہیں ہے' کیونکہ ٹرانسفارمر جل گیا اور واپڈا کے افسران ٹرانسفارمر ٹھیک کرنے کے لئے ہزاروں کی رشوت مانگ رہے ہیں۔ جون کے مہینے میں یہ عام بات ہے کہ گاؤں کے گاؤں بجلی سے محروم ہو جاتے ہیں' اس لئے کہ کچھ لوگوں نے بلوں کی ادائیگی نہیں کی۔ سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر میں جو بدعنوانیاں ہیں ان پر تو کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ ہر سڑک اور ہر عمارت کی اپنی تاریخ ہے۔ لڑکیوں کے اسکولوں میں کھاد کے گودام اور اوطاق بھی کوئی ایسی نادر و نایاب بات نہیں۔ بنیادی صحت کے مراکز میں ڈاکٹر اور دوائیوں کا ہونا بھی معجزے سے کم نہیں۔ اساتذہ اسکول کے اوقات میں ٹیکسی چلاتے ہوئے یا دکانداری کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ تعلیم اور صحت تو ایسے شعبے ہیں جن پر الگ سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

یہاں جو کچھ کہا گیا ہے یہ اس فلم کا چھوٹا سا ٹریلر ہے جو ہر وقت ہمارے دیہی علاقوں میں چل رہا ہے۔ اب لوٹ پلٹ کر سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر سرکاری تنظیمیں ٹیوشن سینٹر' ڈسپنسریاں اور کچے راستے بنا کر ان دیرینہ' دائمی اور ہمہ جہت مسائل کو حل کرسکتی ہیں اور اگر نہیں تو کیا ان مسائل کو حل کئے بغیر سماجی تبدیلی کا خواب پورا ہوسکتا ہے۔

بہ شکریہ : سہ ماہی اخبار

بقیہ ⇦ گلزار احمد میمن

کے لئے ہمارے پاس اب بھی کافی تعداد میں سیور صاف کرنے والی مشینیں نہیں ہیں۔ کراچی مختصر عرصے میں اتنا بڑا شہر بن گیا ہے کہ بنیادی سہولتیں اس تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ صورتحال یقیناً بہتر ہوگی کیونکہ کئی بڑے بڑے منصوبے اب تکمیل کے قریب ہیں۔

○ سوال۔ اس صورتحال کو بہتر بنانے کے سلسلے میں عوام کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

☆ جواب۔ یہ بہت اہم سوال ہے۔ باخبر اور باشعور شہریوں سے بہت فرق پڑتا ہے۔ ایک عنصر جس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں وہ ہے شہر کے تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی کثیر المنزلہ عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں اور رہائشی علاقے تجارتی علاقوں میں تبدیل کئے جارہے ہیں۔ ترقیات سے شہر کے سسٹم پر بہت دباؤ ہے سیور لائنیں بند ہو رہی ہیں' گٹر ابل رہے ہیں۔ لوگوں نے دگنے سائز کے ٹینک بنالئے ہیں ایک سے زیادہ کنکشن لے لئے ہیں۔ شہر بھر میں سکشن پمپ چل رہے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے شہریوں کو تکلیف ہے۔ مین ہولز کے ڈھکن چوری کرلئے جاتے ہیں۔ کچرا کھلے مین ہولز میں ڈالا جاتا ہے اس طرح سیوریج کا بہاؤ رک جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ پانی چوری کیا جاتا ہے اور لوگ غیر قانونی کنکشن لیتے ہیں۔ اس رویئے کو تبدیل کرنا ہوگا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے رہن سہن کے حالات بہتر ہوں اس مقصد کے لئے کے ڈبلیو اینڈ ایس بی نے حال ہی میں ایک "کنزیومرز ایجوکیشن سیل" قائم کیا ہے جو ہمارے نائنتھ مائل (شاہراہ فیصل) آفس میں کام کررہا ہے۔ □

بقیہ ⇦ صادقین کی آڑ میں

کی مانند سفید نہ ہوتے جن پر بیٹھ کر ہر شام "صادقین کے ہیرو" بھنے مرغ اور بریانیاں اڑاتے ہیں۔ وہ شخص تو کیکٹس کی تصویریں بناتا تھا تم لوگوں نے اس کے نام کی آڑ میں کاغذ کے گلدستے اور جھالریں سجادیں۔

صادقین کیلی گرافی اسکول کس طرف ہے؟

اس سوال کا جواب تھا کہ یہ اسکول جلد ہی شروع کریں گے۔ فی الحال تو یہاں ایک عام (یعنی کاروباری اسکول) کھول دیا ہے۔ اسکول کے برآمدے میں صادقین کی خطاطی کے فریم سجے ہیں۔ وہ اصلی ہیں یا نقلی یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ دن کے وقت علم کی تجارت اور شام کے وقت۔ بڑی بڑی کاروں میں آنے والے۔ دھن دولت والے لوگ۔ اپنے بیٹے بیٹیوں کی سالگراؤں اور شادیوں کے بہانے کاروبار کرنے والے لوگ۔

صادقین کہتے تھے جو معاشرے کا دشمن ہے وہ میرا ہیرو ہے۔

صادقین کے وارثوں نے بہت قناعت سے کام لیا اور تکلف بھی برتا' صادقین شادی ہال کا بورڈ نہ لگایا حالانکہ اس علاقے کے گردو پیش کی دیگر دکانوں پر بھی صادقین کا نام لکھا جاسکتا تھا تاکہ کمپنی کی مزید مشہوری ہوتی۔ کون کہتا ہے' کے اعتراض کا حق ہے کہ شادی ہال یا اسکول کا کاروبار نہ کیا جائے۔ بلکہ کوشش کریں تو وہاں صادقین فلنگ اسٹیشن' صادقین نہاری ہاؤس' صادقین گارمنٹس' صادقین سویٹ مارٹ جیسے کام بھی کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس طرح کے تمام جائز کاموں کے لئے صادقین اکادمی کی آڑ لینا ناجائز ہے۔ صادقین قوم کی امانت ہیں۔ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ وہ جس مقام پر تھے وہاں پر پہنچنے والا ہر شخص ملک و قوم کا ورثہ ہوتا ہے۔ وہ شخص کسی کا چچا یا ماموں نہیں رہتا۔

بہ شکریہ : سنہرا دور

پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا تحفظ

شہری اپنے پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا تعارف پیش کرتا ہے

عزیز بھٹی پارک میں گندے پانی کی صفائی کا پلانٹ

کراچی کافی عرصے سے پانی کے سنگین بحران سے دوچار ہے۔ حالیہ تخمینوں کے مطابق شہر کی آبادی اب ۱۳ ملین ہے اور اس میں چھ فیصد سالانہ کی تشویش انگیز شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی میں اضافے کی اس زبردست شرح کی وجہ سے ہمارے محدود قدرتی وسائل تیزی سے کم ہوتے جا رہے ہیں اور تازہ پانی ایک ایسا ہی قدرتی وسیلہ ہے۔

اس ظاہری قلت کے علاوہ، سپلائی کے ناقص نظام کی وجہ سے دستیاب پانی کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ تازہ پانی کے غلط استعمال، خصوصاً" شہر کے خوشحال علاقوں میں، کی وجہ سے یہ مسئلہ اور سنگین ہو رہا ہے۔

نتیجتاً" شہر میں تقریباً" ۱۵۰ ملین گیلن یومیہ تازہ پانی کی قلت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بات کو اولین ترجیح دی جانی چاہئے کہ پینے اور روزمرہ گھریلو ضروریات مثلاً کھانا پکانے، کپڑے دھونے کے لئے تازہ پانی کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ جب ترجیحات کا سوال ہوتا ہے تو شہر کے سرسبز علاقے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جب شہر کے متعدد علاقوں میں روزمرہ کی ضروریات کے لئے بھی پانی دستیاب نہ ہو تو ایسے میں پارکوں، کھیل کے میدانوں اور باغات کے لئے پانی کہاں مختص کیا جا سکتا ہے۔ کراچی میں جہاں کھلی جگہوں، پارکوں وغیرہ کی تعداد پہلے ہی افسوسناک حد تک کم ہے پارکوں کی دیکھ بھال نہیں ہوتی اور نئے پارک تیار کرنے کے کئی منصوبے پانی کی قلت کے باعث تشنہ تکمیل رہتے ہیں۔

اس اہم مسئلے کا حل تلاش کرنے کے سلسلے میں حال ہی میں ایک پیش رفت کی گئی ہے ایک مقامی انجینئرنگ فرم لودھی اینڈ راجپوت (پرائیویٹ) لمیٹڈ کو کے ایم سی نے شہر کے بڑے پارکوں میں پانچ استعمال شدہ پانی کے ٹریٹ منٹ پلانٹس کی ڈیزائننگ اور تنصیب کا ٹھیکہ دیا ہے۔ ۵۰ ہزار گیلن یومیہ استعداد کے تین پلانٹس لگائے جا چکے ہیں اور عزیز بھٹی پارک، ہل پارک اور باغ ابن قاسم پارک کلفٹن میں کام کر رہے ہیں۔ اس منصوبے کی نگرانی کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کر رہا ہے۔ یہ پلانٹ "بایولوجیکل" ویسٹ واٹر ٹریٹ منٹ سسٹم کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں۔ پینے کے پانی کے علاوہ ہمارے پارک خام کھاد استعمال کرتے ہیں۔ جس میں بیماریاں پیدا کرنے والے اجسام بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کو انفیکشن اور جلدی امراض ہو سکتے ہیں۔

یہ ٹیکنالوجی روشن امکانات کی حامل ہے۔ کیونکہ اس کا پانی نہ صرف آب پاشی کے لئے موزوں ہے بلکہ مضر جراثیم سے بھی پاک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پینے کے پانی کی بھی بچت ہوگی اور وہ صاف پانی جو پارکوں میں استعمال ہوتا تھا اب گھریلو ضروریات پورا کرنے کے لئے استعمال ہوگا۔ ۵۰ ہزار گیلن یومیہ کے ایک پلانٹ پر ڈیڑھ سے دو ملین روپے لاگت آتی ہے، ایل اینڈ آر کے ایک سینئر انجینئر کے مطابق پلانٹ کو چلانے اور اس کی دیکھ بھال پر کم سے کم لاگت آتی ہے جس کی وجہ سے یہ پلانٹ فنی اور مالی اعتبار سے قابل عمل ہے۔

یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ ملک ہی میں آلودگی کے کنٹرول اور ویسٹ مینجمنٹ کی ٹیکنالوجی دستیاب ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ ہماری ماحولیاتی مہم کو طویل عرصے تک برقرار رکھنے کا دارومدار اس پر ہی ہے کہ آلودگی پر کنٹرول کی مقامی ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے۔

شہر کا ثقافتی ورثہ تباہ ہو رہا ہے

شہر کے مرکزی علاقے میں ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۶ء کے دوران آبادی کی اوسط گنجانی ۳۹۸ افراد فی ہیکٹر سے بڑھ کر ۶۰۲ افراد ہوگئی ہے۔ مرکزی علاقوں میں زمین کی گرانی کی وجہ سے اسکے ساتھ ہی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ تاہم بنیادی سہولتیں اس سے کہیں کم گنجان آبادی کے لئے تھیں جس کا نتیجہ ہے کہ ان علاقوں میں نہ صرف سہولتوں کی کمی ہے بلکہ ان پر شدید دباؤ بھی ہے۔ آبادی کی گنجانی میں اضافے سے نہ صرف ماحول میں بری طرح انحطاط آرہا ہے بلکہ شہر کا ثقافتی ورثہ بھی تباہ ہوتا جارہا ہے۔

کراچی کی تاریخی عمارتوں کا تحفظ، شہری ماحول کے تحفظ کی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ ہے۔ غیر سرکاری تنظیم پاکستانی ہیری ٹیج فاؤنڈیشن (پی ایچ ایف) کے دباؤ کے تحت حکومت سندھ اور کے ایم سی اب اس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ کراچی کی تاریخی عمارتوں کو محفوظ کیا جائے۔ پی ایچ ایف کی تجویز پر ہی سندھ اسمبلی نے سندھ ثقافتی ورثے کے تحفظ کا ایکٹ ۱۹۹۴ء منظور کیا۔ ثقافتی ورثے کی مشاورتی کمیٹی نے ان تمام عمارتوں کو تحفظ فراہم کیا ہے جن کی نشاندہی ہیری ٹیج فاؤنڈیشن نے کی تھی اور جن کے نام اپنے تاریخی مقامات کے فہرست میں سرائے اور صدر بازار کوارٹرز کی ذیل میں شائع کئے ہیں۔ اس بات پر اتفاق رائے ہوا ہے کہ ان مزید ۳۵۰ عمارتوں کو بھی تحفظ دیا جائے گا جن کی کیٹلاگ ہیری ٹیج فاؤنڈیشن نے تیار کی ہے۔

پی ایچ ایف کی جانب سے پیش کی جانے والی متعدد تجاویز کے ایم سی نے منظور کرلی ہیں اور کے ایم سی۔ پی ایچ ایف مشترکہ منصوبے تیار کئے گئے ہیں جن کا مقصد پیدل چلنے والوں کے لئے ٹریفک فری علاقے قائم کرنا اور ڈاؤن ٹاؤن کے علاقوں میں دوبارہ کھلی فضا فراہم کرنا ہے، یہ بھی تجویز ہے کہ شہر میں "کنزرویشن ایریاز" کا اعلان کیا جائے جن میں تاریخی عمارتوں اور تاریخی محلوں سے متعلق ترقیاتی سرگرمیوں کو کنٹرول کیا جائے گا صدر کا پیدل چلنے والوں کا علاقہ، کراچی کا ثقافتی علاقہ اور فریئر ہال کا ثقافتی علاقہ ایسے ہی چند منصوبے ہیں جن پر غور کیا جارہا ہے۔

کے ایم سی۔ پی ایچ ایف کا مشترکہ پروجیکٹ "ایمپریس مارکیٹ گارڈنز" جس کا مقصد ایک بڑا شہری اسکوائر قائم کرنا ہے اب کافی ایڈوانس اسٹیج میں ہے۔ اس بات پر بھی غور کیا جارہا ہے کہ شہر کی متعدد تاریخی عمارتوں کو محفوظ کرکے کے ایم سی خود انہیں مختلف مقاصد کے لئے استعمال میں لائے۔

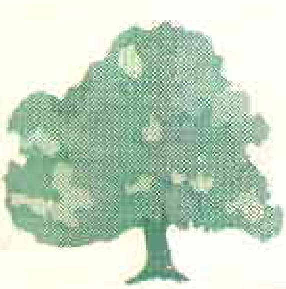

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کریں۔

شہری —— سٹیزن برائے بہتر ماحول

G-206، بلاک۔ 2، پی ای سی ایچ ایس، کراچی۔ 75400 پاکستان

ٹیلی فون : 441769/442578 فیکس : 454-8226

نام ________ ٹیلی فون (گھر) ________

ایڈریس ________

پیشہ ________ ٹیلی فون (دفتر) ________